جلد نمبر 1 | نومبر 2010ء | شمارہ 11

www.islahunnisa.com
islahunnisa@gmail.com

خط وکتابت دفتر ماھنامہ بنات اھلسنت

بالمقابل جامعہ حقانیہ نزد پیکجز فیکٹری قینچی امرسدھو لاہور 042 36185019

ایک نظر میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''اھدناالصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم''

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔ رستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا۔

تفسیر: سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے رب سے مانگنے کے طریقے سکھائے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے رب کی تعریف کرے، تعریف بھی ایسی ہو کہ اے اللہ! تو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تو رحم و کرم کی بارشیں برسانے والا ہے تو قیامت کے دن کا مالک ہے۔ جب خوف و رجا حاصل ہو جائے تو کہے اے اللہ! تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا یہاں سوال ہو سکتا تھا کہ سیدھا رستہ کون سا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی واضح فرمایا اور انسان کو تعلیم دی کہ وہ یوں مانگے ہمیں ان لوگوں کے رستہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا ہے اب جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ کون لوگ ہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر اس کی وضاحت فرما دی کہ **انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین واشھدآء والصالحین** اللہ تعالیٰ نے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین پر انعام فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے ان انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلنے کو صراط مستقیم کہا ہے۔ لہذا انبیاء کے بعد صدیقین، شہداء، صالحین کے رستے پر چلنے کا حکم خود خدا نے دیا۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ انبیاء کے علاوہ کسی کی بات ماننا شرک بن جاتا ہے۔ اگر یہ شرک بنتا تو خود اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم ہی کیوں دیتے؟ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

حضورا کرم ﷺ کاارشادگرامی ہے:

"الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته"

ترجمہ:

اچھی طرح سن لو! کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

تشریح: اصلاح معاشرہ میں حضورا کرم ﷺ کا یہ مبارک ارشاد بہت جامع ہے۔ ہر ایک کو حکم ہے کہ تم اپنے ماتحت لوگوں کے نگران اور نگہبان ہو تم سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔لہذا افسر، ملازم کا، والدہ اولاد کی، استاد شاگرد کا، مرشد اپنے مریدین کا، افسران بالا ماتحت افسروں کے الغرض جس کی جتنی ذمہ داری وہ اتنا ہی بڑا نگران اور نگہبان ہے۔

یہ حدیث مبارک ہمارے لیے دعوت فکر ہے کہ ہم جہاں رعایا میں شامل ہیں وہاں کسی نہ کسی کے نگران اور نگہبان بھی ہیں۔ ہر وقت ہمیں اپنی دونوں حالتوں کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔نگران ہونے کے ناتے ہمیں لوگوں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے اور رعایا ہونے کے ناتے اپنی اصلاح کی۔

اللہ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو ایک معاشرہ عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

مصور پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے مسلمانوں میں جو آزادی کی روح پھونکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اقبال کا پاکستان کے بارے میں جو تصور تھا......اب وہ تصور مٹتا چلا جا رہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اب اقبال کو دشمنِ وطن اور دشمنِ اسلام قرار دیا جا رہا ہے، جذبہ حریت کو جلا بخشنے میں اقبال کی ہمہ وقتہ کاوشیں اور کُڑھن خود علامہ کے اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ علامہ قلم سے نہیں ......دل سے لکھتا ہے۔ اقبال کی بلند خیالی اور عزائم کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک انقلاب کے خواہاں تھے!!!! جس انقلاب سے مسلمان اپنی ''خودی'' کو پہچان سکے اور اقوامِ عالم میں اپنی عظمت وسطوت کا سکہ جما سکے، مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر اقبال شکوہ کرتا ہے......اقبال کے شکوہ میں بعض تنگ نظر لوگوں کو کفر وشرک کے مجسمے کھڑے نظر آنے لگے اور بلا تامل اقبال کو کافر کہہ ڈالا، زمانے پر نظر کر کے اور اہل اسلام کی غلامی اور محکومی کو سامنے رکھ کر شکوہ اقبال کو پڑھا جائے تو آج بھی وہ ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ اے مسلمان!

وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا مسلمان نے اپنی پہچان بھلا نہیں دی؟ کیا وہ اپنی وضع قطع میں گورے کی اترن پہن کر اترا نہیں رہا؟ بود باش میں یہود و نصاری کی مشابہت اختیار کر کے خود کو ''روشن خیال'' باور نہیں کرواتا پھرتا؟ کیا اقبال کا یہ شکوہ بے جا ہے کہ

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

مسلمانوں کے مقدس مقامات اور انوار و تجلیات کے مراکز کو بموں کے زہر سے آلودہ نہیں کیا جا رہا؟ فرقہ بندی کی تخم ریزی کرنے والے دین اسلام کے مبلغین کو اُن ناکردہ جرائم کا مرتکب ٹھہرا کر انصاف کا منہ نہیں چڑایا جا رہا؟ ہو رہا ہے...... سب کچھ ہو رہا ہے اس کے باوجود بھی ہم اقبال کے ''دیس'' میں بس رہے ہیں!!! آدمی جتنا بلند ہوتا جاتا ہے اس کے معاندین بھی بڑھتے چلے آتے ہیں اقبال کے معاندین کی بھی ایک طویل فہرست ہے جو اقبال سے محض اس لیے ''شاکی'' ہیں کہ ختمِ نبوت کو ماننے والا کیوں تھا ''سنّیت'' کی راہ پر کیوں ساری زندگی بسر کر دی؟ چنانچہ معاندین اقبال جو درحقیقت وطنِ عزیز پاکستان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ انہوں نے اقبال کے بارے میں لام گزاف باتیں گھڑ رکھی ہیں، ڈاکٹر ایوب صابری نے ''اقبال دشمنی ایک مطالعہ'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اقبال کو مجرم قرار دیا اور اقبال کا جرم بھی اپنے مذہب اور مسلک پر پختگی تھا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ علماء حقہ سے میل ملاپ کے بعد خصوصاً خاتم المحد ثین علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے تعلق کے بعد تو اقبال کے فکر و نظر میں اس شعور نے جنم لیا جس کے باعث اقبال ''علامہ اقبال'' کہلایا۔

وطن عزیز کے حالات جس قدر ابتر ہو رہے ہیں اور پچھلی کچھ دہائیوں سے آئے دن ناگفتہ بہ حالات واقعات اور حوادث دیکھنے میں آ رہے ہیں ان کا حل آج سے کافی عرصہ پہلے اقبال نے ہمیں بتلا دیا تھا۔ جس کا لب لباب یہی ہے کہ مسلمان! تُو کامل مسلمان بن جا! وطن عزیز میں پھیلی ساری خرابیاں ختم ہو جائیں گی۔ اقبال کی ایک بات جس سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں اور ہونا بھی چاہیے وہ یہ ہے کہ علامہ نے ہمیشہ ہمت اور حوصلہ کا سبق دیا، احساسِ کمتری سے باہر نکالا۔ وہ ہر حال میں اسلام کی اشاعت اور حفاظت کے لیے سرگرم تھے اور کہا کرتے تھے کہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں:

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے مرض الوفات میں اپنے شاگردوں اور متعلقین کو جمع کرکے جو نصیحتیں فرمائی تھیں اور اہل سنت کی جو علامات بتلا کر ان پر سختی سے کاربند رہنے کا حکم دیا تھا اس میں سے پانچویں علامت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی مخلوق نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور دیگر صفات الٰہیہ کی طرح یہ بھی غیر حادث ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گی اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات بھی ہمیشہ سے اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ اگرچہ یہ صفات اس کی ذات کا جزو نہیں ہیں تاہم اس سے جدا بھی نہیں۔

قارئین کرام! یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ رہا اور علمائے اہل سنت نے اس عقیدے کے دفاع اور حفاظت کے لیے بہت قربانیاں دیں مصائب برداشت کیے۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ بڑا نازک اور علمی ہے اس لیے اس میں زیادہ الجھنا نہیں چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: ”اس قسم کے سوالات میں نہ الجھا کرو کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی حقیقت کیا ہے۔ اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے بھی پرہیز کرو۔ بس یہ عقیدہ رکھو کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اس عقیدے میں ایک حرف کی زیادتی نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان اس مسئلہ میں بہت زیادہ مبتلا ہو جائیں گے اور اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تم سب کو اس طرح کے نازک مسئلہ میں شیطان کی طرف سے وارد کردہ گمراہ نظریات سے محفوظ رکھے۔“

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ جو قرآن کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اس

کے حروف جو روشنائی سے لکھے جاتے ہیں، اس کا کاغذ اور ان حروف کی ادائیگی جو ہم اپنی زبان سے کرتے ہیں، یہ تمام چیزیں مخلوقات میں داخل ہیں۔ یہ اشیاء اصل میں آلات قرآنی ہیں جن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کے مراد تک رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم اللہ تعالی کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ البتہ اس کلام کا مفہوم اور معنی جن آلات (کاغذ، کتاب، حروف کی ادائیگی وغیرہ) کی مدد سے سمجھا جاتا ہے وہ آلات مخلوق ہیں۔ گویا ان آلات کے ذریعے کلام اللہ کا مفہوم واضح کیا جاتا ہے البتہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور قرآن کریم کو مخلوق کہنا علمائے اہل سنت کے نزدیک کفر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھیں اور ہمیں گمراہ عقائد و نظریات سے ہمیشہ بچائے رکھیں۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین شخص:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس امت میں سب سے افضل شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ پھر سیدنا عثمان غنیؓ اور ان کے بعد سیدنا علی المرتضیٰؓ کا درجہ ہے۔''

یاد رکھیں کہ یہ عقیدہ پوری امت مسلمہ کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ جو شخص اس ترتیب کو نہیں مانتا اس کا اہل السنّت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ باطل نظریات کے حامل لوگ ''علی دا پہلا نمبر'' کا گمراہ کن نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ سخت گمراہی ہے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ کے صاحب زادے محمد بن حنفیہ نے آپ سے سوال کیا:

''من خير هذه الامة بعد رسول الله ﷺ''

''نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل کون ہے؟''

حضرت علیؓ نے فرمایا: ابوبکرؓ انہوں نے پوچھا: ان کے بعد کس کا مرتبہ ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: عمرؓ کا حضرت محمد بن حنفیہ نے عرض کی: ان کے بعد؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: حضرت عثمانؓ

کا انہوں نے پوچھا حضرت عثمانؓ کے بعد کس کا مرتبہ ہے؟ تو حضرت علیؓ خاموش ہو گئے کچھ دیر کے بعد فرمایا اگر میں چاہتا تو اس چوتھے نصف کے بارے میں بھی بتا سکتا تھا۔

(الجواہر المضیہ ص ۱۴)

حضرت علیؓ کے اس واضح ارشاد کے بعد ان لوگوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے جو ''علی دا پہلا نمبر'' کے نعرے لگاتے ہیں۔

ہم ایک مرتبہ پھر اپنے قارئین وقاریات کو بتلائے دیتے ہیں کہ پوری امت مسلمہ کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل شخص حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ اجمعین اس مسئلہ میں کسی بھی اہل السنّت عالم دین کا کوئی اختلاف نہیں اور جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانے اس کا اہل السنّت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کے بعد فرمایا:

''ویحبھم کل مومن تقی، ولیبغضھم کل منافق شقی''

''کہ ہر مومن اور متقی شخص صحابہ کرامؓ سے محبت کرتا ہے جب کہ منافق اور بدبخت شخص، صحابہ کرامؓ سے بغض اور دشمنی رکھتا ہے۔''

یاد رکھیے! صحابہ کرامؓ دربار نبوت سے فیض یافتہ اور نزول وحی کے عینی گواہ ہیں۔ ان کے ذات گرامی پر کسی بھی قسم کے شک وشبہ سے ایمان کی عمارت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سرٹیفکیٹ ملے ہیں ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

اولئک ھم الراشدون (یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

اولئک ھم الفلحون (یہی لوگ کامیاب ہیں)

اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں (صحابہ) کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے)

فان امنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا (اگر لوگ صحابہ کی طرح کا ایمان لائیں تو ہدایت

یافتہ قرار پائیں گے)

بعض لوگ تاریخ کی کتابوں کے من گھڑت اور جھوٹی روایات کی بنا پر صحابہ کرامؓ کی مبارک شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ہمارے لیے قرآن کریم، احادیث مبارکہ، تابعین عظام، فقہائے کرام، ائمہ مجتہدین اور علمائے اہل السنّت کی عبارات معتبر ہیں اور ان کے مقابلے میں قصہ گو اور تاریخ کی جھوٹی روایات پر اعتبار کرنے والے نام نہاد روشن خیال سکالرز کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہراتؓ کی حقیقی محبت اور ان سے دلی عقیدت کا تعلق صرف سچے ایمان والوں کو نصیب ہوتا ہے اور ان مبارک ہستیوں کی عداوت اور ان سے بغض صرف بد بخت اور منافقین کے حصے میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ کا سچا جاں نثار بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

ہم فخر سے کہتے ہیں ہمارے ہیں صحابہ
واللہ ہمیں جان سے پیارے ہیں صحابہ

چرچل

چرچل لائیو تقریر کے لئے ریڈیو سٹیشن جا رہے تھے کہ راستے میں ان کی گاڑی خراب ہوگئی۔ ایک ٹیکسی والے سے کہا کہ مجھے ریڈیو سٹیشن لے چلو۔

ٹیکسی والا بولا: نہیں صاحب، کوئی اور ٹیکسی کروا لو۔ مجھے نہیں جانا، میرے محبوب لیڈر کی تقریر نشر ہونے والی ہے۔

چرچل بہت خوش ہوئے کہ میری قوم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ جب ٹیکسی والا نہیں مانا تو چرچل نے اسے کہا کہ میں تمہیں دگنا کرایہ دوں گا مجھے لے چلو۔ ٹیکسی والے نے دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا: بھاڑ میں گیا چرچل اور اس کی تقریر، چلو آؤ چلیں۔

(فاروق معاویہ، حافظ آباد)

ماہ ذوالحجہ میں چند ایک خصوصی احکام یہ ہیں:

۱: حج بیت اللہ (یہ صرف اسی مہینہ میں ہی ادا ہوتا ہے) ۲: قربانی (صاحب استطاعت مسلمانوں کے لیے واجب ہے اور اس مہینہ کے صرف تین دنوں میں ادا کی جا سکتی ہے)

۳: عیدالاضحیٰ ۴: تکبیرات تشریق (اس ماہ کے پانچ دنوں میں فرض نمازوں کے بعد ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد'' اونچی آواز سے کہنا۔

۵: یوم عرفہ کا روزہ (یعنی نویں ذوالحجہ کو روزہ رکھنا) ۶: جس شخص نے قربانی کرنی ہو اس کا بال اور ناخن نہ کٹوانا ۷: اس ماہ کی دسویں، گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو روزہ نہ رکھنا کیونکہ سال بھر میں اللہ تعالی کی طرف سے پانچ دن ممنوع ہیں کہ ان میں روزہ نہ رکھا جائے۔ مذکورہ چار دن اور یکم شوال المکرّم کا دن۔

ہم ان میں سے صرف قربانی کے مسائل کا ذکر کیے دیتے ہیں چونکہ قربانی اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ ہے اس لیے چند شیطان صفت انسان اس مبارک عبادت میں بھی رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ آگے مذکور ہوگا کہ کس طرح اس اہم عبادت کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں خیر! قربانی کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں۔

1- قربانی کا ثبوت	2- قربانی کا حکم	3- قربانی کا جانور
4- جانور کی عمر	5- شرکاء اور ان کی تعداد	6- قربانی کا وقت
7- قربانی کے دن	8- قربانی کا نصاب	9- شرائط قربانی

10- ذبح کون کرے؟

1: قربانی کا ثبوت:

سورۃ کوثر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ”**فصل لربک وانحر**.

ترجمہ: نماز پڑھیے اپنے رب کے لیے اور قربانی کیجیے۔

عن زید بن ارقم قال؛ قال اصحاب رسول الله ﷺ: یا رسول الله ! ما هذه الاضاحی ؟ قال: سنة ابیکم ابراهیم (علیه السلام) قالوا: فما لنا فیها یا رسول الله؟ قال : بکل شعرة حسنة . قالوا: فالصوف یا رسول الله ؟ قال : بکل شعرة صوف حسنة.

ترجمہ: ”صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ! قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مبارک طریقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس میں ہمارے لیے کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔“ صحابہ کرامؓ نے پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! اور اون میں (ہمارے لیے کیا ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اون میں بھی ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔“

2: قربانی کا حکم:

قربانی کا حکم یہ ہے کہ صاحب استطاعت پر واجب ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کہ آدمی صاحب استطاعت کب بنتا ہے۔

عن ابی هریرةؓ قال ؛ قال رسول الله ﷺ: ” من کان له سعة، فلم یضح فلا یقربن مصلانا۔“

اس حدیث مبارکہ میں بہت سخت وعید ہے کہ جس کے پاس وسعت بھی ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ شخص ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی وعید واجب کے چھوڑنے پر ہوتی ہے۔

3: قربانی کا جانور:

قربانی کے لیے مذکورہ جانور ہی ذبح کیے جا سکتے ہیں بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے مذکر و مونث۔

قال تعالی؛ ثمنية ازواج من الضأن اثنين ومن المعزاثنين.... ومن الابل اثنين ومن البقرا ثنين.

فائدہ: بھینس بھی گائے کے حکم میں شامل ہے۔ **تحسب الجواميس مع البقر**

4: جانور کی عمر

بھیڑ، بکری ایک سال، گائے دو سال، اونٹ پانچ سال، ہاں البتہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ حدیث مبارک میں ہے کہ "**عن جابر بن عبد اللهؓ مرفوعاً : لا تذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان.**"

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں مدار عمر پر نہیں، مدار دانت ہیں کہ قربانی کے لئے دو دانتا ہونا شرط ہے، عمر شرط نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس سبق میں استاد محترم مولانا محمد الیاس گھمن دامت برکاتہم نے فرمایا تھا کہ "جذعۃ سے مراد باتفاق امت دنبے اور بھیڑ میں چھ ماہ کی عمر والا جانور ہے۔ مسنہ نہ ملنے کی صورت میں عمر کے اعتبار سے جانور کا تعین کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسنہ سے مراد عمر والا جانور ہے نہ کہ دانت والا" ساتھ ہی فرمایا کہ یہ جواب میری اپنی طرف سے ہے، تا حال میں نے کسی کتاب میں اس کو نہیں پڑھا مزید فرمایا کہ اگر کسی دلیل سے میری یہ بات غلط ثابت ہو جائے تو اس غلطی کی نسبت میری طرف کی جائے۔

5: شرکاء اور ان کی تعداد:

بھیڑ، بکری میں ایک، گائے، بھینس اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ:

"عن جابر امرنا رسول الله ﷺ في الابل و البقر كل سبعة منا في بدنة .

6: قربانی کا وقت:

شہر اور بڑے گاؤں میں عید کی نماز ادا کرنے کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے: "**عن انس ان رسول الله ﷺ صلی ثم خطب فامر من کان ذبح قبل الصلوة ان یعید ذبحاً.**"

7: قربانی کا دن:

جیسا کہ ابھی ذکر کیا کہ قربانی کا وقت شہر اور بڑے گاؤں میں نماز عید کے بعد جبکہ دیہات میں صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کا وقت موجود رہتا ہے اس کے بعد یعنی تیرہویں تاریخ کو قربانی نہیں کرنی چاہیے۔ "**و وقت الاضحیه یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انه لایجوز لاهل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اهل السواد فیذبحون بعدالفجر.**"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دو دن ہیں قربانی کے دن کے بعد۔ یعنی دسویں ذوالحجہ کے بعد "**مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر قال : الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ۔**"

8: قربانی کا نصاب:

ہر اس شخص پر قربانی کا کرنا واجب ہے جس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

یاد رہے کہ قربانی کا نصاب اور زکوۃ کا نصاب الگ الگ ہے، قربانی کو زکوۃ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت اور ضرورت سے زائد اشیاء مثلاً ٹی وی، وی سی آر جیسی خرافات اور تین جوڑوں سے زائد کپڑوں کے جوڑوں اور وہ اشیاء جو محض زیب و زینت کے لئے گھروں میں رکھی ہوتی ہیں سال بھر استعمال نہیں ہوتی ہیں ان سب چیزوں کی قیمت یا بعض کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی کرنا واجب ہے اور اس پر سال کا گزرنا شرط نہیں ہے۔

9: شرائط وجوب قربانی:

1- حریت (آزاد ہونا) 2- اسلام (مسلمان ہونا) غیر مسلم اور مرتدین اس سے خارج ہیں جیسا کہ قادیانی وغیرہ) 3- غناء (یعنی صاحب استطاعت بھی ہو بالکل مفلوک الحال، مفلس اور غریب پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے) 4- اقامت (مسافر پر قربانی واجب نہیں)

10: ذبح کون کرے؟

ذبح کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو کفار اور یہود وہنود کا ذبیحہ جائز نہیں ہے یاد رہے کہ رافضی اور قادیانی بھی اس میں شامل ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے آج کل عام طور پر مسلمانوں میں یہ غفلت پائی جارہی ہے کہ وہ کسی رافضی سے ذبح کرالیتے ہیں یا قادیانی سے۔ شریعت محمدیہ ﷺ کی رو سے رافضی کافر ہیں جبکہ قادیانی مرتد ہیں ان کا ذبیحہ کسی طور پر حلال نہیں۔

آخری گزارش:

آپ ﷺ کا مبارک معمول یہ تھا کہ آپ دو قربانیاں کرتے ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے، اس لیے تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش ہے کہ اگر اللہ نے وسعت دی ہو تو جہاں آپ اپنی طرف سے قربانی کر رہے ہوں وہاں نبی آخر الزمان ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کریں اور اس کے ساتھ ساتھ کسی عزیز رشتہ دار کی طرف سے بھی قربانی کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

میٹھی مرچیں

تھپڑ مارنے پر شوہر نے ناراض بیوی کو کہا کہ انسان اسے مارتا ہے جس سے وہ پیار کرتا ہے۔

جواب میں بیوی نے دو تھپڑ مارے اور بولی آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ سے پیار نہیں کرتی؟ (محمد سمعان، گوجرانوالہ)

ایک روز مجلس میں موت کے موضوع پر بات چل نکلی۔ شاہ جی نے فرمایا موت ایک ایسا راز ہے جو آج تک کوئی گیانی، کوئی سیانا، کوئی دانشور، فلسفی، عالم یا عارف نہیں جان سکا۔ کسی نے کنفیوشس سے موت کے بارہ میں پوچھا تھا، اس نے جواب میں کہا تھا کہ ہمیں زندگی کی حقیقت ہی کا کب علم ہے جو ہم موت کا راز جان سکیں؟ کسی عربی شاعر کا شعر ہے:

الموت باب وکل الناس یدخلہ

یا لیت شعری بعد الباب ما الدار

یعنی موت ایک دروازہ ہے جس میں ہر شخص داخل ہوتا ہے، اے کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس دروازے کے بعد کون سا گھر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''انسان سوئے ہوئے ہیں موت آئے گی تو جاگ جائیں گے۔'' مرشد کا قول ہے کہ زندگی بندگی کا نام ہے اور موت آزادی ہی کی ایک صورت ہے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی ہر انسان کو موت کی سزا سنا دی جاتی ہے البتہ سزا کی تاریخ کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ ایک دانا آدمی اس طرح زندگی گزارتا ہے کہ گویا ملک الموت کا ہاتھ اس کی گردن پر ہے۔

اسلام کی نظر میں موت سے انسان فنا نہیں ہوتا بلکہ ایک نئی زندگی پاتا ہے جو ابدی ہے۔ بقول ایک اہل فکر کے اسلام نے موت کو وفات کا نام دے کر اسے ایک نئی معنویت عطا کی ہے۔ قرآن مجید نے موت پر تَوَفّیٰ کا اطلاق کیا ہے یعنی موت سے فنا نہیں بلکہ نئی زندگی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں موت کا ایک تصور یہ بھی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ شہید ہوتے ہیں، مرتے نہیں بلکہ زندہ ہی رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے صرف جینا ہی نہیں

سکھایا ہے بلکہ مرنا بھی سکھایا ہے۔ اہل ایمان موت سے مرتے نہیں بلکہ موت پر مرتے ہیں اور ہمیشہ شہادت کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔ قرآن پاک یہودیوں سے کہتا ہے کہ **فتمنوا الموت ان کنتم صادقین** یعنی تم موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر تم سچے ہو، مطلب یہ ہے کہ صرف اہل ایمان ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جینا بھی انہیں ہی آتا ہے جو مرنا جانتے ہیں۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے'' زندگی درحقیقت دردناک موت سے پیدا ہوتی ہے یہ شاعرانہ خیال آرائی نہیں بلکہ حکمت ہے کہ آدمی جان دے کر حیات جاوداں پاتا ہے۔'' ہاں! جو حیات جاوداں پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے موت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ سقراط نے جب زہر کا پیالہ پی لیا تو اس کے شاگرد ضبط نہ کر سکے باوجود کوشش کے افلاطون کے آنسو بہہ نکلے، ایک اور شاگرد زور سے چیخ مار کر رونے لگا، صرف سقراط پرسکون رہا اور بولا'' یہ آہ وزاری کیسی ہے؟ میں نے عورتوں کو اسی لئے واپس بھیج دیا تھا کہ شور نہ مچائیں کیونکہ میں نے سنا ہے مرد کو سکون کے ساتھ مرنا چاہیئے، چپ ہو جاؤ اور صبر کرو، حوصلے سے کام لو اور یہ کہو کہ تم صرف میرے جسم کو خاک میں دفن کرو گے۔''

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالی ایک روز اپنے دواخانہ میں کام میں مصروف تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی اور جب اس نے دیکھا کہ وہ مصروفیت کی بناء پر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اس نے کہا'' کاروبار کے دھندے میں ایسے لگے ہوئے ہو تو جان کیسے دو گے؟'' حضرت عطار جھنجھلا کر بولے'' جیسے تم دو گے'' فقیر نے کہا'' میری طرح جان کیا دو گے!'' یہ کہا اور سر کے نیچے کشکول رکھ کر زمین پر لیٹ گیا۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس واقعہ کا شیخ کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ کھڑے کھڑے دواخانہ لٹا دیا اور درویشی اختیار کر لی۔

سہل بن عبداللہ اکثر عبداللہ بن مبارک کے درس میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ درس سے اٹھتے ہوئے کہنے لگے کہ آئندہ میں آپ کے درس میں شامل نہیں ہونگا کہ آپ کی

کنیزیں چھت سے آواز دے رہی تھیں کہ اے میرے سہل! اے میرے سہل! یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حاضرین سے فرمایا کہ سہل کی نماز جنازہ کی تیاری کرو۔ کچھ دیر بعد حضرت سہل بن عبداللہ کا انتقال ہو گیا، تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں نے سوال کیا موت سے پہلے ہی آپ کو ان کی موت کا علم کیسے ہو گیا تھا؟ فرمایا سہل جو کہہ رہے تھے کہ چھت سے کنیزیں انہیں پکار رہی تھیں، وہ حوریں تھیں کیونکہ میرے ہاں کوئی کنیز نہیں، اس لئے مجھے یقین ہو گیا کہ ان کی موت قریب ہے۔

مناقب العارفین میں ہے کہ جب حضرت سید برہان الدین محقق ترمذی کا آخری وقت قریب آیا تو اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک گھڑا پانی لے آؤ، جب وہ پانی کا گھڑا لے آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم باہر جاؤ اور دروازہ بند کر لو اور سب لوگوں کو بتا دو کہ سید غریب اس دنیا سے جا چکا ہے۔ خادم کا بیان ہے کہ میں حجرے کے دروازے پر کھڑا رہا کہ دیکھوں حضرت کیا کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ حضرت سید اٹھے، غسل کیا، کپڑے پہنے اور ایک کونے میں سر جھکا کر بیٹھ گئے اور فرمایا اے خدائے حاضر و ناظر! جو امانت تو نے مجھے سپرد کی تھی، مہربانی فرما کر آ اور لے جا، تو مجھے ان شاء اللہ صابر پائے گا، یہ کہا اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ملک صاحب نے کہا ایک ایرانی شاعر نے کیا اچھی بات کہی تھی کہ دو روز موت سے بچنے کی کوشش کرنا مناسب نہیں؟ ایک اس روز جس دن موت کو آنا ہے اور دوسرے اس روز جس دن موت کو نہیں آنا، چونکہ جس دن موت کو آنا ہے اس دن اس سے بچنے کی کوئی کوشش بھی کارگر نہیں ہوتی اور جس دن موت کو نہیں آنا اس روز اس سے بچنے کی کوشش کرنا ہی بے سود اور بے کار ہے۔ شاہ جی نے کہا آدمی خواہ ساری دنیا کا مالک یا حکمران بن جائے آخر کار ایک دن اسے اس دنیا سے جانا ہی ہے۔ میوہ جب پک جاتا ہے تو درخت سے گرتا ہی ہے، ہاں البتہ موت ان کی ہی اچھی اور قابل رشک ہے جنہوں نے دنیا میں اچھے اور قابل رشک کام کئے۔ موت جگ کی بھی ہے پگ (پگڑی) کی بھی ہے، دکھ کی بھی اور سکھ کی بھی، جگ کی موت یہ ہے کہ کوئی عالم بے بدل، یا

حاکم صاحب عدل یا عارف بزرگ یا عظیم قومی رہنما اہل جہان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے والا انسان اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو سارا جگ اس کی موت سے متاثر ہوتا ہے۔ موت پگ (پگڑی) کی یہ ہے کہ خاندان کا سربراہ دنیا سے اٹھ جائے تو بیوی بچوں کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ ایک سہارا ٹوٹنے سے سارے سہارے منہ موڑ لیتے ہیں۔ پگ یا پگڑی جو اہل خانہ کے لئے امن و سلامتی، معاشی تحفظ، معاشرتی تحفظ، معاشرتی مقام و سربلندی کا سبب تھی وہ موت نے چھین لی۔ یا یوں کہئے کہ موت تو ایک کی ہوتی ہے لیکن سارے گھر والوں کی معاشی اور معاشرتی موت بن جاتی ہے۔

موت دکھ کی یہ ہے کہ ایک ہونہار نوجوان اچانک کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو اس کی موت اسکے سارے گھر والوں ہی کو نہیں بلکہ سب ملنے جلنے والوں کو بھی دکھی کر جاتی ہے اور مدتوں اس کے غم کی پھانس دل میں محسوس کی جاتی ہے۔ موت سکھ کی یہ ہے کہ بوڑھے ستر اسی سال کے ہیں، دن بھر گھر والوں سے لڑتے ہیں، رات بھر کھانستے ہیں، صاحب فراش ہیں، ضروریات زندگی کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں، ایسے محتاج کی موت خود اس کے لئے ایک طور سے سکھ کا سبب ہوتی ہے، لواحقین بھی سکھ کا سانس لیتے ہیں، ہر چند زبان سے افسوس کا اظہار ہوتا ہے لیکن آنکھوں سے سکھ اور سکون کی کرنیں صاف جھلکتی ہیں۔ ہاں البتہ ایک اچھے اور سچے انسان، ایک محبتوں والے ہر دلعزیز بزرگ کی موت خواہ کتنی ہی طویل عمر کے بعد کیوں نہ ہو، بے وقت سی معلوم ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں کو سوگوار کر جاتی ہے۔ لوگ یوں محسوس کرتے ہیں کہ گویا ایک سایہ دار برگد کا درخت تھا نہ رہا، شفقت کے سائے سے محروم ہو گئے۔ کوئی شخص اس حقیقت سے کما حقہ آگاہ نہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ کہاں جائے گا؟ اور جب وہ ان سوالوں کے سمجھنے اور جوابات کو جاننے کی کوشش کرنے کے قابل ہوتا ہے، خواہ وہ بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، صوفی ہو، سپہ سالار ہو، خواہ اہل جلال ہو، اہل جمال ہو یا اہل کمال ہو، ایک دن موت کا ہاتھ اس کی گردن دبوچ لیتا ہے۔ قبر کا سرد اور خوفناک منہ اسے نگل جاتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

ملک صاحب نے کہا کہ ایرانی شاعر فردوسی کہتا ہے کہاں چلے گئے وہ عظیم المرتبت تاجوران دوران و دلاوران زمانہ؟ کہاں چلے گئے وہ دانشوران و دانیاں جو بہت سی عظیم کتابوں کے مصنف تھے؟ کہاں ڈھونڈیے ان حسینوں کو جن کی ادائیں دلربایانہ تھیں، جن کی باتیں پیاری تھیں، دلنشین تھیں گویا ان کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ کہاں چلے گئے وہ پارسا لوگ جو دنیا کو تیاگ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے؟ کہاں چلے گئے وہ سرداران جہاں جو اتنے بلند رتبہ تھے کہ گویا ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا، جو شیروں کو شکار کرتے تھے۔ یہ سب لوگ قبر میں سوئے ہوئے ہیں، مٹی اور اینٹ ان کا بستر ہے۔ اچھا انسان وہ ہے جو ہمیشہ نیکی کا بیج بوئے یعنی ہمیشہ نیک کام ہی کرے۔

شاہ جی نے کہا ذرا سوچیے تو! وہ انسان جو خود کو عظیم سمجھتا تھا، ابدی تصور کرتا تھا سارے جہان پر حکمرانی کرتا تھا، ساری دنیا کے معاملات اپنے اشارۂ ابرو سے چلاتا تھا، جو دنیا بھر کے خزانوں کا مالک تھا، جو جلال و جبروت کی علامت تھا، جو شان و شوکت کا نشان تھا، جو قیصر تھا، کسریٰ تھا، تیمور تھا، نپولین تھا، سکندر تھا، آخر کار قبر میں خالی ہاتھ گیا اور اس شان سے یا اس مجبوری سے کہ چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر گیا۔ جو نظام جہاں کو اپنے اشاروں سے چلاتا تھا اب وہ قبر تک خود چل کر نہیں پہنچ سکا اور بعض بیچاروں کو تو دو گز زمین بھی نہ مل سکی **فاعتبروا یا اولی الابصار**. کہتے ہیں کہ جب سکندر کی وفات ہوئی تو اس کے دربار میں موجود دانشوروں نے اپنے اپنے تاثرات بیان کئے جو نہ صرف فصاحت و بلاغت کے انمول موتی ہیں بلکہ اہل دل کیلئے حکمت و موعظت اور عبرت و بصیرت کا ایک بے بہا خزانہ بھی ہیں۔ مثلاً ایک دانشور نے کہا ''جو شخص لوگوں کو قید خانے میں ڈالتا تھا آج وہ خود قبر کے قید خانے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید ہو گیا۔'' ایک دانشور نے کہا ''دنیا کا توانا ترین انسان آج مغلوب ہو گیا لیکن کمزور لوگ آج بھی مغرور و غافل ہیں۔'' ایک دانشور نے کہا ''اے سکندر تیری فتوحات کے سامنے ساری زمین تنگ تھی، کاش تو یہ بتا سکتا کہ آج اس تنگ قبر میں جس سے تجھے دفن کیا گیا ہے، تیرا کیا حال ہے؟'' ایک دانشور

نے کہا'' ذرا دیکھو تو ایک خواب کیسے انجام کو پہنچا اور ایک بادل کا سایہ کیسے دور چلا گیا۔''

ایک دانشور نے کہا'' اے سکندر تیرا غصہ تو موت کا موجب ہوتا تھا، تو آج موت پر کیوں غصے نہیں ہوا؟'' ایک دانشور نے کہا'' تیری موت سے آج جنہیں خوشی ہوئی ہے وہ بھی بس تیرے پیچھے پیچھے کل تک ملک عدم کو پہنچ رہے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح کل تو جن کی موت پر خوش ہوا تھا ان کے پیچھے آج تو ملک عدم کو سدھار گیا ہے۔'' ایک دانشور نے کہا'' اس وسیع و عریض دنیا سے تجھے صرف دو گز زمین ملی، اگر اس انجام پر تجھ کو یقین ہوتا تو دنیا فتح کرنے کی یہ ساری بھاگ دوڑ تو نہ کرتا''۔ اس کے خزانچی نے کہا'' اے سکندر! تم مجھے کفایت شعاری کرنے اور مال جمع کرنے کو کہتے تھے، اب بتاؤ میں یہ جمع شدہ مال کس کے حوالے کروں؟''

جب سکندر کی وفات کی خبر اس کی ماں کو پہنچی تو اس نے کہا'' موت نے میرا بیٹا تو مجھ سے چھین لیا لیکن اس کی یاد کو تو مجھ سے نہیں چھین سکتی۔'' سکندر نے وصیت کی تھی کہ اس کی ماں اس کی موت کے بعد ایک دعوت عام کا اہتمام کرے اور اعلان کروائے کہ ہر شخص اس دعوت میں شریک ہو البتہ وہ شخص جس کا کوئی عزیز یا دوست فوت ہو گیا ہو وہ اس دعوت میں نہ آئے۔

سکندر کی ماں نے ایسا ہی کیا لیکن اس دعوت میں کوئی بھی نہ آیا، اس کی ماں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم نے میری دعوت کیوں قبول نہیں کی؟ لوگوں نے کہا تم نے خود ہی دعوت قبول کرنے سے منع کر دیا ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ لوگوں نے کہا کہ تم نے قدغن لگائی ہے کہ جس کا کوئی عزیز یا دوست فوت ہو گیا ہو وہ اس دعوت میں نہ آئے۔ سارے ملک میں کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں جس کا کوئی عزیز یا دوست فوت نہ ہوا ہو۔ سکندر کی ماں سمجھ گئی کہ سکندر نے اپنی وصیت کے ذریعے مجھے تسلی دی تھی کہ میری موت پر غم نہ کرنا کیونکہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کا کوئی عزیز فوت نہ ہوا ہو۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور انسان شروع سے موت سے برسر پیکار ہے اور کوشاں ہے کہ میں موت کو شکست دیدوں اور میں لافانی ہو جاؤں، اگرچہ انسان موت کو تو زیر نہ کر سکا لیکن بعض صورتوں میں اس نے موت کو بے اثر اور بے قدر ضرور کر دیا۔ وہ لوگ جو خدا پر پختہ ایمان

رکھتے ہیں، موت ان کے سامنے بے حقیقت ہے۔

کسی اہل فکر نے کیا معنی خیز بات کہی تھی کہ موت سے کیا ڈرنا، جہاں موت ہوتی ہے وہاں میں نہیں ہوتا، جہاں میں ہوتا ہوں وہاں موت نہیں ہوتی۔ سعدی نے کیا خوب کہا کہ نیک آدمی کبھی نہیں مرتا، مردہ وہ شخص ہے جس کا نام نیکی سے یاد نہیں کیا جاتا۔

سعدیا مرد نکو نام نمیرد ہرگز
مردہ آن است کہ نامش بنکوئی نبرند

دین کس نے سمجھا؟

اصل دین وہی ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ نے اسے سمجھا اس کے بعد اصل دین وہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارک میں مذکور ہے جیسے صحابہ کرامؓ نے اسے سمجھا اور صحابہ کرام میں سے کوئی گروہ یا خاص فرد ہی نہیں بلکہ سارے کے سارے ہدایت کے چراغ ہیں ان میں سے کسی ایک کی پیروی اللہ کریم کی رضا کا سبب اور جنت تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد کا مفہوم ہے:

''میرے تمام صحابہ کرامؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت ہی پاؤ گے۔''

دیکھو! کوئی پھل اوپر سے کھایا جاتا ہے اندر سے پھینکا جاتا ہے اور کوئی اندر سے کھایا جاتا ہے، اوپر سے پھینکا جاتا ہے۔ خربوزہ اندر سے کھایا جاتا ہے اوپر سے پھینکا جاتا ہے۔ جامن اوپر سے کھایا جاتا ہے، اندر سے پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی ظاہر ایماندار ہے باطن خراب ہے، کسی کا باطن ایماندار ہے ظاہر خراب ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن ایمان سے بھرپور ہے۔

(انتخاب: محمد اعجاز، لاہور)

سطحِ ارض پر ''بیت اللہ'' پہلی مبارک عبادت گاہ ہے جو انسانوں کے لیے قائم کی گئی ہے اور جسے تمام جہاں والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک متعدد انبیاء علیہم السلام نے ضرورت پڑنے پر کعبۃ اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کتنی متبرک و مقدس ہے یہ جگہ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام نے اس کا طواف کیا اور کتنے مبارک تھے وہ لمحات کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے گھر کا طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ ہزاروں صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلو میں تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔۔۔ دل شوق و محبت کے جذبات سے معمور اور آنکھیں بیت اللہ کی زیارت کے لیے بیتاب ہیں۔ محبان کے قافلے دور دراز کے مقامات سے آج بھی بیت الحرام پہنچ رہے ہیں۔

بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دل و دماغ کی کیفیات کو بعض زائرین نے قلمبند کیا ہے۔ اردو ادب میں مشاہرین کے جو چند حج نامے معروف ہیں، انہی میں سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں جو ان احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں جو خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی مصنفین پر طاری ہوئے!!

پاکستان سے دیارِ حرم تک: نسیم حجازی (1959ء)

بارگاہ خداوندی کے جاہ و جلال کے تصور سے لرزتا ہوا اندر داخل ہوا۔ صحن میں پاؤں رکھتے ہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی اور مجھے اچانک ایسا محسوس ہوا کہ اس کی چھت آسمان کو چھو رہی ہے! سینکڑوں آدمی وہاں طواف کر رہے تھے۔ کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنا گوارا نہ تھا۔ جو طواف سے

فارغ ہو چکے تھے، ان میں کوئی حطیم کے اندر نفل پڑھ رہا تھا اور کوئی غلاف کعبہ تھام کر گریہ وزاری کر رہا تھا۔ کسی کو کسی کے ساتھ سروکار نہ تھا۔ کسی کو کسی کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ وہ مختلف سمتوں سے آئے تھے، لیکن وہاں مشرقی و مغربی، کالے اور گورے، امیر اور غریب، ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں تھی۔

طواف شروع کیا، میری خود فراموشی کا یہ عالم تھا کہ کبھی چلتے چلتے میری رفتار کم ہو جاتی اور کبھی میرے قدم تیز ہو جاتے، لیکن دو تین چکر لگانے کے بعد میں سنبھل چکا تھا۔ خانہ کعبہ کے گرد سات چکر پورے کرنے اور ہر بار حجر اسود کو بوسہ دینے کے بعد باب الرحمۃ کے سامنے دعا شروع کی۔ وہاں شاید پہلی بار یہ خیال آیا کہ میں کون ہوں؟ اور کہاں سے آیا ہوں؟ اور اس کے ساتھ ہی میری آواز بیٹھ گئی۔ میں بڑی کوشش کے ساتھ رک رک کر دعائیہ کلمات دہرا رہا تھا لیکن اچانک میری قوت گویائی جواب دے گئی اور آنسوؤں کا ایک سیلاب جو نہ جانے کب سے اس وقت کا منتظر تھا، میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا۔

شہاب نامہ: قدرت اللہ شہاب (1953ء)

میں نے سن رکھا ہے کہ جو شخص حرم شریف میں داخل ہوتا ہے وہ اپنا جوتا، گناہوں کی گٹھڑی، اپنی دستار فضیلت اور اپنی بزرگی کا عمامہ دروازے کے باہر چھوڑ جاتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جب وہ باہر آئے گا تو اس کا جوتا یا اس کے گناہوں کی گٹھڑی یا اس کی فضیلت کی دستار یا اس کی بزرگی کا عمامہ اس کو واپس ملے گا یا نہیں؟ میرے پاس حرم شریف کے باہر چھوڑنے کے لیے پاؤں میں ربڑ کے چپل اور سر پر گناہوں کی گٹھڑی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میں نے دل و جان سے دونوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔

باب السلام کے راستے حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی دم بھر کے لیے بجلی سی کوندی اور زمین کی کشش ثقل گویا ختم ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے گاڑی کو مضبوط بریک لگا کر میرے وجود کو پنکچر شدہ ٹائر کی طرح جیک لگا کر ہوا میں معلق کر دیا گیا ہو۔ میرے جسم کے اعضا کا ایک دوسرے سے رابطہ ٹوٹ سا گیا ہو، ہاتھ بیلوچ ہو کر لٹک گئے اور سر بھنور میں پھنسے

ہوئے خس وخاشاک کی طرح بے بسی سے چکر کاٹنے لگا۔اس طرح اپاہج سا ہو کر میں طواف کے لیے آگے بڑھنے کے بجائے بے ساختہ لڑکھڑا کر وہیں بیٹھ گیا۔

کاروان حجاز: ماہر القادری (1954ء)

لیجئے! حدود حرم سے بھی کچھ آگے نکل آئے۔تلبیہ پڑھنے میں آنکھیں بھی زبان اشک سے لے میں لے ملا رہی ہیں۔مکہ کی آبادی آ گئی۔رات کا وقت ہے، ایسے میں جو ٹیلہ، جو پہاڑی اور جو مکان بھی نظر آتا ہے، عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اتار لیجئے۔انسانیت کی تاریخ کا پہلا ورق اسی سرزمین پر مرتب ہوا۔اسی شہر میں حق کی وہ آواز بلند ہوئی جس نے باطل کے جسم میں تھرتھری پیدا کر دی۔ یہ تاریخی شہر نہیں بلکہ خود تاریخ ساز ہے۔اس شہر پر تاریخ کا ذرہ برابر بھی احسان نہیں بلکہ خود تاریخ پر اس شہر کا احسان ہے۔تاریخ اس شہر سے جانی پہچانی جاتی ہے۔اگر تاریخ سے مکہ کو نکال دیا جائے تو پھر تاریخ میں رہ کیا جائے گا۔

یا اللہ! میں کہاں آ گیا؟ یہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا، مجھ سا پلید اور حرم مقدس میں! مجھ سا خطا کار، گناہگار اور معاصی سرشت اس مقام پر جہاں ہر زمانے کے اتقیاء وصلحاء، پاک بازوں اور نیکو کاروں نے سجدے اور طواف کئے۔ یہ پیروں سے نہیں، سر کے بل چلنے کا مقام ہے۔ یہاں کا جتنا بھی احترام کیا جائے کم ہے۔

شرق اوسط میں کیا دیکھا؟ ابوالحسن علی ندوی (1947ء)

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سنا، اسی طرح مکہ اور مدینہ کا تذکرہ بھی سنا تھا۔ جنت کو حاصل کرنے اور ان دونوں متبرک شہروں کو دیکھنے کی تمنا اسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھیں۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک طویل عرصے کے بعد میں خود اس جگہ آ پہنچا جس کی زمین پر نہ تو سبزے کا فرش تھا اور نہ اس کی گودی میں ندیاں کھیلتی تھیں۔ جب میں نے حسن ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے۔لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ

اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اگر یہ شہر کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے، روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرہ ہوتی اور انسان محض ایک قیدی!

یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا۔ انسان کو اس کی کھوئی ہوئی سرداری اور چھنی ہوئی آزادی دلائی۔ اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بوجھوں کو اتارا۔ اس کے طوق وسلاسل کو جدا کیا جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔ وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے نیا جنم لیا اور تاریخ نئے سرے سے ڈھل کر نکلی۔

دیانت کے خلاف ہے

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اپنے غلام اسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ میں شب کو گشت کر رہے تھے۔ ایک مکان سے آواز سنی کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے یہ کہہ رہی ہے کہ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دے لڑکی نے کہا امیر المومنین نے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرو۔ عورت نے کہا اب نہ یہاں امیر المومنین ہے نہ منادی کرنے والا۔ لڑکی نے کہا کہ یہ دیانت کے خلاف ہے کہ روبرو تو اطاعت کی جائے اور غائبانہ خیانت۔ یہ گفتگو سن کر حضرت عمر بہت محظوظ ہوئے۔ لڑکی کی دیانت اور حق گوئی پر خوش ہو کر جو درحقیقت انہی کے حق پرست عہد حکومت کا نتیجہ تھی، اپنے بیٹے عاصم کی اس سے شادی کر دی۔ اس لڑکی کے بطن سے ام عاصم پیدا ہوئی جو عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک بخت اور عابد وزاہد خلیفہ کی والدہ تھیں۔

مراسلہ: حفصہ نفیس، لاہور

ایک دن صبح کے وقت زور کی بارش ہو رہی تھی میں بستر میں لیٹا ہوا بیرونی آب و ہوا کا اندازہ لگا رہا تھا۔ سردی اور کیچڑ کے متعلق تو توقعات یقین کے درجے تک پہنچ چکی تھیں۔ کالج جانے نہ جانے کا سوال غور طلب تھا۔ ایک خیال آیا کہ دس بج چکے ہوں تو کلاس میں دیر سے پہنچا از حد بد اخلاقی ہوگی ڈر کے مارے گھڑی کو نہ دیکھا کہ مبادا نصیب دشمناں سوئیاں ابھی اس منزل تک نہ پہنچی ہوں جو میرے لیے منزل مقصود ہے۔

پھر خیال آیا کہ ایسی تیز ہوا میں انفلوئنزا کا بہت خطرہ ہے۔ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ صحت کو تعلیم پر مقدم سمجھنا چاہیے۔ پھر ماں باپ کا لاڈلا بیٹا خاکم بدہن اگر مجھے ایک چھینک بھی آ گئی تو گھر میں بھونچال آ جائے گا۔ سر کے دو چار بال اور ایک کان لحاف سے باہر جھانکنے کی جسارت فرما رہے تھے۔ کچھ لحاف کی گوشمالی کی کچھ ان کی اور پھر اپنے ضمیر سمیت بستر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر سو گیا جس میں انسان سن تو سب کچھ لیتا ہے بولنا نہیں چاہتا۔

میں نے اس مراقبے میں دو چار منٹ گنوائے ہوں گے کہ ایک صاحب نازل ہوئے دروازہ انہوں نے اس بے تکلفی سے کھولا جیسے خانہ واحد ہو اور داخل اس شان سے ہوئے گویا راجہ اندر ہیں کہ دربار میں تشریف لا رہے ہیں ان کی ٹوپی کو دیکھ کر شاخ بارود کا مضمون سوجھتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی کنپٹی پر دست غیر کوئی پھوڑا نکل آیا ہو اور ٹوپی کو محض اخفائی مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہوں۔

میں نے اپنا خواب آلودہ چہرہ ان کی باصرہ خراشی کو مکمل طور پر لحاف سے باہر نکالا۔ انہوں نے طوعاً وکرہاً میری جانب سر کو ایک دل فریب جنبش دے کر ٹوپی کے پھندے میں ایک طوفان پیدا کیا اور پہلوؤں پر ہاتھ رکھ کر بولے: ''کیوں جناب مسٹر بخاری! اس کمرے میں رہتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''پیرومرشد درست۔'' کہنے لگے: ''وہ اس وقت کہاں ہوں گے؟'' میں نے جواب میں عرض کیا کہ جناب! اس صحرانورد کا ٹھکانا ٹھیک تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک اس خاکسار نے غور وغوض کیا ہے۔ بندہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بخاری صاحب اس وقت اپنے بستر میں استراحت فرما رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

آپ سخن شناس واقع ہوئے تھے۔ مربیانہ انداز میں مسکرادیے۔ میں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا جس کی پشت پر میری قمیض جسم مصلوب کی طرح رحم طلب پیرائے میں لٹک رہی تھی۔ آپ نے پہلے قمیض جسم مسلوب کی طرح سے بڑی استغناء سے فرش پر پھینک کر بیٹھنے کے لیے اپنی ٹانگوں اور کمر میں خم پیدا کیا پھر اپنے کوٹ کو جو پتلون اور کرسی کے درمیان حائل ہونے کی دھمکیاں دے رہا تھا، اور دونوں ہاتھوں سے منع کیا۔

آخرکار بیٹھ گئے اور نگاہ کو چھت پر گاڑ کر بولے: ''آپ راوی کے ایڈیٹر ہیں؟'' آپ غضب کے قیافہ شناس ہیں۔ جی ہاں۔ مجھے اس جرم کا اعتراف ہے۔ تو میں آپ سے دو ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ شوق سے پوچھئے میں جوتش وتش تو نہیں جانتا البتہ بچپن میں پہیلیاں۔ آپ کے راوی میں میں نے کبھی اردو مضامین نہیں دیکھئے میں آپ سے اس کی وجہ دریافت کرسکتا ہوں؟ کیوں نہیں۔ بے شک! تو صاحب وجہ یہ ہے کہ آپ کی قوت باصرہ نہایت راستباز ہے اگر اردو وہاں چھپا نہ ہو تو آپ دیکھیں کیسے؟

آپ مجھے سمجھے نہیں۔ مجھے آپ کے سوال کو مختلف الفاظ میں دوہرانا پڑے گا۔ دیکھئے

نا میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اردو کے مضامین کیوں نہیں چھاپتے۔ سمجھے آپ؟ میں نے آہ بھر کر کہا: جناب! یہ ایک داستانِ درد ہے اور حسب معمول بہت طویل نہیں آپ بے تکلف کہئے مجھے راوی سے بہت ہمدردی ہے۔ یہ آپ کی ذرہ پروری ہے۔ صاحب! کیا عرض کروں میں خوشی سے اردو مضامین چھاپ دیا کروں، اگر کوئی خدا کا بندہ لکھنے کی تکلیف فرمائے مجھے تو خود......

میں سمجھ گیا یعنی آپ کو کوئی ادیب نہیں ملتا تو یوں کہئے نا میں مانتا ہوں کہ آج کل کے زمانے میں سخن گو بہت کمیاب ہیں۔ اب جناب اگر میں آپ کو خود اپنی غزل راوی کے لیے دے دوں تو پھر...... پھر تو حضرت کیا کہنے!! میں سنہری حروف میں مرصع کاغذ پر چھپوا کر غالب مرحوم کے مزار پر آویزاں کروادوں۔

خیر ایک دوسرا سوال ہے راوی کی مشکلات تو قطعاً حل ہو جائیں بالکل مجھے یقین ہے اس کے بعد پرنسپل صاحب میری تصویر وینکلر لائبریری کی دیوار پر......

آپ کو معلوم ہے میں شاعر ہوں، شاعری کوئی معمولی بات نہیں، شاعری بکرجاں مغتن ہے، شاعری کوہ کندہ وکاہ برآوردن ہے، شاعری...... میں آپ سے کیا کہوں، آپ خود شاعر نہیں آپ نہیں سمجھ سکتے، تو جانے دیجئے......لیکن ان کی فصاحت و بلاغت کو میری کم فہمی بھی مانع نہ ہوئی یوں گھنٹے کے بعد غزل اور دردسر دے کر تخفیف تصدیع کر گئے۔

ان کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے غزل کو شروع سے آخر تک پڑھا، پڑھا کیا؟ اس کا مطالعہ کیا، اس کا وظیفہ کیا، لیکن مجھے پھر بھی بحر کا پتہ نہ لگا۔ قافیہ نوازی میں آں جناب نے جو جِلت فرمائی تھی میرے قدامت پسند دماغ فرسودہ سے بالاتر تھی۔ ترکیبوں میں جو آپ نے فارسیت بگھاری تھی، خلق میں خواہش پیدا کرتی تھی۔ لغویت اور بے مطلبی کو جس خوبی سے انہوں نے نبھایا تھا انہی کا کام تھا۔

بحثیت مجموعی کلام ایسا تھا گویا مرزا عبدالقادر بیدل ہذیان کی حالت میں کچھ فرما گئے ہیں، میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کاغذ کے پرزے کو پھاڑ ڈالا اور چار دانگ وکٹوریہ ہوٹل میں ان پرزوں کو جس قدر وسعت میں ممکن ہوسکتا تھا۔ بکھیر دیا تاکہ اس دنیا میں ان کو پھر یکجا ہو جانا محال ہو جائے۔ حشر کے دن جب وہ کاغذ پھر اصلی شکل اختیار کرے گا تو شاعر کے بائیں ہاتھ میں نظر آئے گا۔

مندرجہ بالا واقعہ مبالغہ سے بالکل مبرا ہے نہ صرف یہ بلکہ ایک ایسا نسخہ ہے جو بالحاظ اپنی نوعیت کے ہر دوسرے، تیسرے دن مجھ بانصیب کو پیش آتا ہے۔ اردو کے قدردان اکثر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ راوی کا اردو حصہ بالکل ہی مفقود ہو گیا۔ میں ان کو کیا جواب دوں یہ کہہ دیتا ہوں کہ کالجوں میں اردو انشا پردازوں کی بہت قلت ہے۔ علی گڑھ میگزین میرے سامنے کر دیتے ہیں اور اتنا نہیں سوچتے کہ علی گڑھ کے مردم خیز خطے اور گورنمنٹ کالج کے سنگلاخ میں کس قدر فرق ہے؟؟؟

ان کو یہ کون کہے کہ وہاں کے اولڈ بوائز اور موجودہ طلباء کی فہرست میں آپ کے اکثر مشاہیر ادب کے نام نظر آئیں گے اور گورنمنٹ کالج کا یہ حال ہے کہ ''آزاد'' مرحوم جیسی شاندار ہستی کو ایک دراز عرصے تک اس جگہ سے وابستگی تھی اور کالج ہال میں ان کی تصویر تک موجود نہیں

سخن ورشناسی کا یہ عالم ہے تو سخن شناسی کیا ہوگی اور سخن گوئی تو کسی شمار میں ہے۔ اٹھتی جوانی کو غزل کہنے کا بہت شوق ہے۔ سو ہے لیکن ہمارے نوجوان مصور جب ایسی تصویریں کھینچتے ہیں تو عجب قلم طرازیاں فرماتے ہیں ناک اقبال کی، کان اکبر کا، آنکھیں غالب کی، قافیے انگریزی بحر۔ اردو ہوتا ہے تو سرقہ نما سرقہ ہوتا ہے اور بالکل ہے بے حجاب ہم سے اتنی ناز برداری نہیں ہوسکتی کہ اسے راوی میں چھاپ دیں۔

نثر سے ان کو نفرت ہے۔ انسان میں منجملہ اور کمزوریوں کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو طبعاً شاعر سمجھتا ہے اس کمزوری کا خمیازہ ہم کو اس شکل میں اٹھانا پڑتا ہے کہ ایک تو نظم نما نظموں کا انبار ہماری ردی کو ٹوکری میں جمع ہو جاتا ہے۔ دوسرے نثر میں ہم کو خط تک کوئی نہیں لکھتا کہ اسی کو راوی میں چھاپ دیں۔ خواہ ہمیں لفافے ہی چھاپنا پڑے۔

لیکن جب دوستوں کے طعن تشنیع نے ہم کو بالکل ہی عاجز کر دیا تو ہم سید امتیاز علی تاج کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ بھائی! جو توجہ کہکشہاں مرحوم کو دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی راوی زندہ درگور کی طرف منتقل کر دو کہ تم اور میں دونوں سعادت دارین حاصل کریں۔

انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کر لیا۔ ان کا قابل قدر مضمون خرافات اس بات کا شاہد ہے کہ ارادہ ہے کہ کسی دن اسی طرح ہاتھ جوڑ کر منشی تصدق حسین صاحب خالد کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور عرض کروں گا کہ اے ہے کہ جس کے دم سے بزم سخن پر رونق ہے ان معنوں میں کہ مردہ نہیں زندہ ہے اور اے وہ کہ جو گورنمٹ کالج کے عنفوان پیشہ و دیرینہ کا وارث جائز و برحق ہے۔ خدا کے لیے راوی کو دیکھ کہ تیری طرف امید کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ نظم کے میدان کے لیے راوی کو دیکھ کر تیری طرف امید کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے نظم کے میدان کو چھوڑ کر شاہسواروں کے ہجوم میں تجھ مجھ جیسے پیادہ پا روندے جائیں گے۔

نثر کے ملک میں آ، جہاں قحط الرجال ہے اس لیے موقع ہے لہذا یقین ہے۔ پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب اور مولانا قاضی فضل حق صاحب سے شکایت کرنے کی جرأت تو ہمیں بھلا کیسے ہو سکتی ہے ہر جمعہ کے بعد خشوع و خضوع سے دعا کر دیتے ہیں کہ خدایا ان بزرگوں کو راوی سے جو اعتنائی ہے اس کی وجہ ہمیں کشف کے ذریعے بتا دے۔ بیشتر اس کے کہ راوی بالکل مایوس ہو کر ان کے متعلق یہ سوچا کرے کہ: (ہر چند کہیں کہ ہیں ...... نہیں)

☆ دوستی ہمیشہ دشمن بن کر امتحان لیتی ہے۔

☆ بعض دوست اس وقت نظر آتے ہیں جب ان کی ضرورت پڑے اور اکثر اس وقت جب ان کو ضرورت پڑے۔

☆ دوست کی نسبت دشمن کو معاف کر دینا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔

☆ جو بات ہمیں آخر کار یاد رہتی ہے، وہ دشمنوں کی باتیں نہیں، دوستوں کی خاموشی ہوتی ہے۔

☆ دشمنوں کو معاف کر دو، اس سے زیادہ تکلیف دہ بات ان کے لئے نہیں ہو سکتی۔

☆ دوست وہ رشتے دار ہیں جن کا انتخاب ہم خود کرتے ہیں۔

☆ دوستی پیسے کی طرح ہے، بنانی آسان، سنبھال کر رکھنی مشکل۔

☆ دوستی کبھی نہیں ٹوٹتی اگر آزمائی نہ جائے۔

☆ سب سے اچھا رشتے دار وہ ہوتا ہے جو آپ کا دوست بھی ہو۔

☆ دوستی یک طرفہ نہیں ہو سکتی۔ دوست بن کر ہی کسی کو دوست بنایا جا سکتا ہے۔

☆ دوست ہمیشہ اچھے ہی ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ دوست ہوں۔

☆ دوست کبھی سینے پر وار نہیں کرتا، یہ کام صرف دشمن ہی کر سکتا ہے۔

☆ اگر آپ کسی دوست کی ضرورت کے وقت امداد کریں تو وہ آپ کو ضرور یاد رکھے گا...... جب بھی اسے دوبارہ ضرورت پڑے گی۔

☆ دوست سے رقم مانگنے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا مناسب ہے کہ آپ کو ان میں سے کس کی

زیادہ ضرورت ہے۔

☆ کبھی اتنا تیز نہ چلیں کہ دوست آپ کا ساتھ نہ دے سکیں۔

☆ دوستوں سے زیادہ دشمنوں کی باتوں کو غور سے سنیں۔ آپ کی غلطیوں کا پتہ پہلے انہی کو چلے گا۔

☆ انسان اپنا دشمن نہ ہو تو کوئی اس کا دشمن نہیں ہو سکتا۔

☆ جب میں غریب تھا اس وقت بھی میرے کئی دوست تھے مگر وہ مجھ سے بھی زیادہ غریب تھے۔

☆ ''دوست'' وہ ہے جو ضرورت کے وقت کام آئے اور اپنی ضرورت کے وقت کسی اور دوست کی طرف رجوع کرے۔

☆ اچھے دوست کبھی نہیں پوچھتے ''کیا کوئی مسئلہ ہے؟'' وہ ہمیشہ پوچھتے ہیں '' مسئلہ کیا ہے؟''

☆ دشمن کو دوست بنانا مشکل اور دوست کو دشمن بنانا بہت آسان ہے۔

☆ دوست بنانے کا بہترین وقت وہ ہے جب آپ کو ان کی ضرورت نہ ہو۔

☆ اچھے دوست بنانے کے لئے آدمی کو پہلے خود اچھا بننا پڑتا ہے۔

☆ دوستوں سے صرف وہی توقعات رکھی جا سکتی ہیں جو دوست ہم سے رکھتے ہیں۔

☆ دشمن زخم لگاتے ہیں، دوست صرف ان پر نمک چھڑکتے ہیں۔

☆ جب بھی کوئی مصیبت آئے، اپنے کسی دشمن کو جا کر سنائیں کیونکہ اس کے بارے میں سن کر سب سے زیادہ خوشی اسی کو ہوگی۔

☆ جانور اس لئے اچھے دوست ثابت ہوتے ہیں کہ وہ سوال نہیں کرتے، تنقید نہیں کرتے، ادھار نہیں مانگتے اور برے وقت میں چھوڑ کر بھاگتے نہیں۔

☆ افسوس! دوست آتے جاتے رہتے ہیں، دشمن اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔

☆ تکلیف پہنچانے کے لئے دوست اور دشمن مل کر کام کرتے ہیں۔ دشمن گالی دیتا ہے اور دوست اسے آگے پہنچاتا ہے۔

☆ خوشحالی دوست بناتی ہے، عسرت انہیں آزماتی ہے۔

☆ دوستوں سے زیادہ انسان کو اپنے دشمنوں کے انتخاب کے بارے میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ اچھا دوست وہ ہے جو اپنی آسانی میں ہمیں یاد رکھے اور اپنی مشکل میں ہمیں بھول جائے۔

نرخ نامہ برائے اشتہارات ماہنامہ

بیک			
بیک فل پیج 4 کلر	3000	3/4 بیک پیج 4 کلر	2500
ہاف بیک پیج 4 کلر	2000	1/4 بیک پیج 4 کلر	1500
اندرون			
فل پیج ون کلر	1800	3/4 ون کلر	1500
ہاف پیج ون کلر	1300	1/4 ون کلر	800
مین پیج ان سائیڈ			
فل پیج ون کلر	2000	3/4 پیج ون کلر	1300
ہاف پیج ون کلر	1000	1/4 پیج ون کلر	800
ایک پٹی 1.5 انچ مین ٹائٹل	2000	پٹی 1.5 انچ بیک ٹائٹل	600

نفرت کو دلوں سے نکال کر محبت کو دل میں سجا لیجئے۔ آپ کے دل میں موجود نفرت کا ایک ذرہ بھی آپ کے دل کو میلا کر دیتا ہے۔ شاید ایسے آپ کو یہ بات سمجھ نہ آئے۔ تو ایک خوبصورت مثال سے اس بات کو واضح کرتے ہیں۔

ایک ٹیچر اپنی کلاس کے معصوم بچوں کو محبت اور نفرت کا فرق سمجھانا چاہ رہی تھی۔ اس نے بچوں کو ایک کھیل کے ذریعے یہ سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ اور بہت سوچنے کے بعد اس نے بچوں کو کہا: ''بچو ہم ایک کھیل کھیلنے جا رہے ہیں۔ جس کے آخر میں آپ کو ایک بہت شاندار سبق بھی حاصل ہوگا۔ کیا آپ سب یہ کھیل کھیلنے کیلئے تیار ہیں؟'' بچوں نے یک زبان ہو کر کہا ''جی بالکل'' ''تو بچو۔ آپ کو کرنا یہ ہے کہ کل جب آپ سکول آئیں تو اپنے ساتھ ایک شاپنگ بیگ میں اتنے ٹماٹر ڈال کر لائیں جتنے لوگوں سے آپ نفرت کرتے ہیں۔'' ٹیچر نے کہا

سب بچوں نے بڑے جوش و خروش سے ٹیچر سے وعدہ کیا کہ کل وہ ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ دوسرے دن ہر بچے کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ کسی میں ایک ٹماٹر، کسی میں دو اور کسی میں پانچ ٹماٹر تھے۔ غرضیکہ ٹماٹروں کی تعداد ان لوگوں کی تعداد ظاہر کر رہی تھی جتنے لوگوں سے وہ نفرت کرتے تھے۔ اب ٹیچر نے سب بچوں سے کہا۔ ''بچو! آپ سب لوگ اپنے اپنے شاپنگ بیگز کو بند کر لیں اور ان کو ہر وقت اپنے پاس رکھنا ہے۔ چاہے آپ کلاس میں ہوں، گھر میں ہوں، سو رہے ہوں، کھانا کھا رہے ہوں۔ بس یہ شاپنگ بیگ آپ کے پاس رہے۔ اور ہاں یہ کھیل ایک ہفتہ کیلئے ہے۔ ایک ہفتے کے بعد اس کھیل کا اختتام ہوگا۔'' سب بچوں نے کہا ''جی! ہم سمجھ گئے۔ یہ تو بڑا آسان سا کھیل ہے۔''

لیکن یہ آسان کھیل بچوں کیلئے بہت مشکل ثابت ہوا۔ دوسرے ہی دن ٹماٹروں سے بد بو آنا شروع ہوگئی۔ مزید یہ کہ جن کے پاس زیادہ ٹماٹر تھے یعنی جو بچے زیادہ لوگوں سے نفرت کرتے تھے ان کیلئے دہری مصیبت تھی۔ بدبو کے ساتھ وزن بھی اٹھانا، ہر وقت اپنے پاس رکھنا، ایک عذاب بن گیا۔ جلد ہی بچے تنگ آ گئے۔ لیکن کھیل تو ایک ہفتے کا تھا۔ تیسرے چوتھے دن ہی بچوں کی ہمت جواب دینے لگی۔ بدبو سے سب کا برا حال تھا۔ انہوں نے ٹیچر سے کہا: ''میڈم یہ کھیل جلدی ختم کریں ورنہ ہم بیمار ہو جائیں گے۔''

ٹیچر نے جو بچوں کی پریشانی دیکھی تو کہا: ''ٹھیک کھیل آج ہی ختم کر دیتے ہیں۔ آپ لوگ جلدی سے اپنے اپنے شاپنگ بیگ متعلقہ جگہ پر ڈال کر ہاتھ دھو کر آئیں، پھر اس کھیل کے بارے میں بات کرتے ہیں۔'' بچے تو خوشی سے اچھل پڑے اور فوراً باہر بھاگے۔ تھوڑی دیر جب سب بچے واپس کلاس میں آئے تو انکے چہروں پر تازگی کے ساتھ تجسس کے تاثرات موجود تھے اور وہ منتظر تھے کہ اس کھیل کا مقصد اور نتیجہ جان سکیں۔ ٹیچر نے سب بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''بچو! آپ نے دیکھا کہ آپ جتنے لوگوں سے نفرت کرتے تھے ان کی علامت کے طور پر ٹماٹر ساتھ رکھنا کتنا مشکل اور تکلیف دہ کام تھا؟ ہم جب کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا احساس ہمارے دل میں رہتا ہے۔ یہ احساس، یہ سوچ دماغ میں رہتی ہے۔ اور یہ سوچ، یہ احساس ان ٹماٹروں کی طرح جب کئی دنوں تک پڑی رہتی ہے تو بدبو پیدا کر دیتی ہے، تعفن پھیلا دیتی ہے۔ ذرا سوچیے! ہم کتنے مہینوں، سالوں سے یہ بدبو بھرا تعفن زدہ احساس اپنے دل میں رکھے ہوئے ہیں؟ کیا ہمارا دل اس سے تنگ نہیں ہوتا؟ اس گندگی سے ہمارا دل اور دماغ میلے نہیں ہو جاتے کیا؟ اگر ہم اس بدبو اور گندگی کی جگہ باہمی محبت جیسا خوشبو انگیز احساس دل میں رکھیں تو کیا ہمارا دل خوش نہیں ہوگا؟'' بچوں کو اب احساس ہو رہا تھا کہ میڈم کتنی بڑی سچائی بیان کر رہی ہیں۔

تو بہنو! کیا ہم نفرت نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا ہم اپنے دل و دماغ صاف نہیں رکھ سکتے؟

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

میمونہ نام ہے، قبیلہ قریش سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بجیر بن ہزم بن روبتہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمتہ بن خصیفہ بن قیس بن غیلان بن مضر

والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام حسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطتہ بن جرش

نکاح اول:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔

(زرقانی ص۲۸۸ ج۳)

پھر ابو درہم بن عبدالعزی کے نکاح میں آئیں۔ ابو درہم نے سن ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی۔

حرم نبی ﷺ میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعدہ سن ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے بسوئے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اس نکاح سے محدثین اور فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ حالت احرام میں نکاح تو جائز ہے البتہ رخصتی احرام کھلنے کے بعد ہوگی۔ (بخاری ج۲ ص 611)

فضل وکمال:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے 46 احادیث منقول ہیں جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کچھ پراگندہ سے ہیں تو پوچھا: ''بیٹے اس کا کیا سبب ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''ام عمار (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی) میرے کنگھا کیا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے)۔

اس پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بولیں ''کیا خوب! آنحضور صلی اللہ علیہ سلم ہماری گود میں سر مبارک رکھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے۔ اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے۔ بیٹا کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے؟

(مسند ج 16 ص ۱۳۳)

ایک عورت بیمار ہوگئی تو اس نے منت مانی کہ اگر میں صحیح ہوگئی تو تو بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گی۔ اللہ کی شان وہ صحت یاب ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو اس عورت کو کہنے لگیں: ''تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔''

(مسند ج 6 ص ۳۳۳)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد:

حضرت ابن عباس، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے)، عبید اللہ الخولانی (ربیب تھے)، ندبہ (کنیز تھیں)، عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے)، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام)، عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سبیع۔ اللہ تعالی ان

سب سے راضی ہو۔

اخلاق:

اخلاق میں بھی ایک در یکتا تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خدا سے بہت ڈرتیں اور صلہ رحمی کیا کرتی تھیں۔''

(اصابہ ج ۸ص ۲۹۱ بحوالہ ابن سعد)

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا مقام سرف میں نکاح ہوا تھا اور اسی جگہ میں وفات بھی ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں بھی انھوں نے اتارا۔ احادیث کی کتب میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ چلو۔''

سال وفات میں اگر چہ اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۱ھ میں وفات فرمائی۔ (صحیح بخاری ج ۲ص ۸۵۷)

رضی اللہ عنہا وارضاھا

عامل بابا

ایک عامل کا بڑا چرچا تھا کہ وہ روحوں سے بات کروا دیتے ہیں۔ ایک بچہ جو اپنی ذہانت سے ہوشیاری کی وجہ سے محلے بھر میں مشہور تھا ان عامل کے پاس پہنچا اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا۔ ''میں اپنے دادا کی روح سے بات کرنا چاہتا ہوں''۔ اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اگر بتیاں جل رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔ کیوں آئے ہو برخوردار؟ قریب سے عامل صاحب کے چیلے نے بچے کو ٹھوکا دیا یہ تمہارے دادا کی روح بول رہی ہے۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ دادا جان! بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی روح یہاں کیا کر رہی ہے؟ جبکہ آپ کا تو ابھی انتقال بھی نہیں ہوا''

انتخاب: کنیز فاطمہ، کوٹ ادو

اس تشویشناک خبر نے کہ جانب جنوب سے عمر شیخ مرزا کا بھائی سلطان مرز اپنے گھوڑے کو چراگاہوں میں چرانے کے بہانے سے اور شمال کی طرف سے خاقان اعظم محمود خان بھی بعینہ یہی بہانہ تراش کر ایک لشکر جرار کے ساتھ جانب جخند بڑھ رہا تھا، عمر شیخ مرزا کے شکار کا سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا بنابریں اس سے اپنے شکار کا تمام تر پروگرام منسوخ کر کے فی الفور اندرجان پہنچنے کا قصد کیا۔ اور پھر بسرعت تمام اپنے لشکر سمیت اندرجان پہنچ گیا۔ عمر شیخ مرزا کا شکار کھیلنا تو فقط ایک بہانہ تھا دراصل وہ ٹوہ لگانا چاہتا تھا کہ اس کے بھائی اور خاقان اعظم اس کے خلاف کس طرح اور کب تک لشکر کشی کرنے والے تھے۔ اس کا یہ مقصد پورا ہو چکا تھا اور اسے معلوم ہو چکا تھا کہ دونوں فریقین مخالف حملہ آور ہوا ہی چاہتے ہیں۔ بنابرین وہ اندرجان پہنچتے ہی اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دینے لگا۔

چار سال قبل بھی سلطان احمد مرزا نے وادی فرغانہ پر شب خون مارنے کی جسارت کی تھی مگر عمر شیخ مرزا نے اسے اندرجان سے چار میل دور بہنے والے دریا کے اس پار روک لیا تھا۔ یہ دریا اندرجان کے لیے ایک ڈھال کا کام دیتا تھا۔ اگرچہ یہ دریا نہایت تیز رفتار تھا مگر اس کی تہ میں کیچڑ اور دلدل بافراط پایا جاتا تھا جو اس دریا کو عبور کرنے والوں کے لیے ایک آفت ناگہانی تھا یعنی اگر کوئی ناواقف حملہ آور اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر کہ دریا کی گہرائی بھی کم ہے اور اس کا پاٹ بھی زیادہ کشادہ نہیں ہے دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیتا تو پھر زندہ سلامت اسے دوسرے کنارے تک پہنچنا نصیب نہ ہوتا اور دریا میں اترنے والے گھوڑے اپنے سواروں سمیت اس کیچڑ اور دلدل میں غرق ہو کر اپنا وجود تک کھو بیٹھتے۔

اس مرتبہ بھی عمر شیخ مرزا نے سلطان احمد مرزا کو اسی دریا کے اس پار روکنے کا منصوبہ ترتیب دیا اس کے لیے یہ بات نہایت ہی باعث تشویش تھی کہ اس مرتبہ اسے دو طاقتور دشمنوں کے خلاف دو محاذوں پر نبرد آزما ہونا تھا۔ یعنی ایک طرف تو اس کا بھائی سلطان احمد مرزا ایک لشکر جرار کے ساتھ حملہ آور ہو چاہتا تھا جبکہ دوسری طرف خاقان اعظم محمود خاقان ایک شتر بے مہار کی طرح دوڑا چلا آ رہا تھا۔

عمر شیخ مرزا نے فوج کا ایک بہت بڑا دستہ آخشی کی طرف بھیج دیا اسے پورا یقین تھا کہ آخشی کا مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ خاقان اعظم کے محاصرے کو مہینوں تک برداشت کر سکتا تھا اور دوسری طرف اندرجان کی بغل میں بہنے والے دریا کی نالہ بندی کرنے کے لیے بھرپور تیاریاں کر لیں۔ اندرجان میں اپنی عدم موجودگی کی بنا پر اس نے اپنے نوعمر بیٹے بابر کو حکومت کی باگ ڈور سپرد کر دی اور قاضی شہر کو اس کا سرپرست اور مشیر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ گویا اس طرح بابر صرف بارہ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہو گیا۔

حسن یعقوب جو کہ عمر شیخ مرزا کا مشیر خاص تھا اور جس کے متعلق نانی اماں نے بابر سے ایک بار نصیحت آمیز لہجے میں یہ تھا کہ حسن یعقوب قابل اعتبار شخص نہیں ہے اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا اور اپنی اعانت کے لیے قاسم اور سلاخ کو اپنے قریب رکھنا۔ اس نے عمر شیخ مرزا کو مشورہ دیا کہ ''ہمیں بہرحال جارحانہ جنگ سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ ہمارے لیے صرف دفاعی جنگ ہی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔'' عمر شیخ مرزا چاہتا تو حسن یعقوب کے مشورے پر صاد کرتا کیونکہ کئی دوسرے امراء بھی اس کے ہم نواز تھے مگر اس نے اس مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور میدان جنگ میں ہی معرکہ آرائی کا فیصلہ کیا۔

اس جنگ کے لیے عمر شیخ مرزا نے حکمت عملی یہ تیار کی کہ دشمن کے لیے غلہ، مویشیوں اور ضروریات زندگی کو اس قدر کمیاب کر دیا جائے کہ اسے اور اس کے لشکر کو جان کے لالے پڑ جائیں اور پھر اس کے پاس میدان جنگ سے بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے اور

اگر بالفرض والمحال بھوک سے نڈھال لشکر مرنے مارنے پر تل بھی جائے تو اسے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ اور دوسری طرف اس نے آخشی میں محصور ہو کر وحشی منگولوں کا مقابلہ کرنے والے لشکر کے لیے اس قدر سامان خورونوش کا ذخیرہ کر دیا جو اس کے لیے مہینوں تک کافی ہوسکتا تھا۔ اس بات کے پیش نظر کہ اگرچہ آخشی کے محاصرے کے بعد اندرجان محفوظ تو ہو جاتا مگر اس کے مسکینوں کے لیے بھی سامان خوردونوش کی فراہمی از بس ضروری تھی اس لیے اس نے اندرجان میں بھی سامان خورونوش کا ذخیرہ کرلیا جو اس کے مکینوں کے لیے کئی ماہ تک کافی تھا۔

ان پیش بندیوں سے فارغ ہو کر عمر شیخ مرزا نے آخشی کے قلعے کا دورہ کیا تاکہ وہ تمام انتظامات کا بنفس نفیس جائزہ لے سکے۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی آخشی کے گردو پیش میں موجود ان پہاڑوں پر جن کے عقب سے مغلوں کے حملہ آور ہونے کا امکان تھا دیدبانی مرکز قائم کروائے اور ان میں ماہر تیر انداز بٹھا دئے تاکہ مغلوں کو آخشی تک آنے سے روکے رکھیں اور قلعہ میں موجود فوج کو بروقت آگاہ کرسکیں۔

اس کڑے وقت میں بھی عمر شیخ مرزا اپنے تنہائی کے ساتھی کبوتروں کو نہیں بھولا تھا۔ اس نے کبوتروں کے کابکوں پر متعین ملازموں کو حکم دیا کہ وہ ان بے زبانوں کا بہر طور خیال رکھیں اور انہیں بروقت دانہ دنکا اور پانی مہیا کرتے رہیں۔ کبوتروں کے کابکوں کا معائنہ کرنے کے دوران ایک ملازم نے عمر شیخ مرزا کو بتایا کہ: ''پہاڑی کی عمودی چوٹی پر رکھے ہوئے ایک بڑے کابک کی چھت ٹپکتی ہے اور بارش کے موسم میں اس کابک میں محصور کبوتر بھگ جاتے ہیں۔''

عمر شیخ مرزا کو اس اطلاع نے متوحش کر دیا اور وہ بسرعت تمام خستہ کابک کی چھت پر چڑھ گیا اور اس کا بنظر غائر معائنہ کرنے لگا۔ عمر شیخ مرزا بڑے بھاری تن و توش کا مالک تھا، اڑتیس انتالیس سالہ اس موٹے اور وزنی کبوتروں کے عاشق بادشاہ کا وزن خستہ حال کابک سہار نہ سکا اور لرزیدہ لرزیدہ پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلکنے لگا۔ وہاں موجود لوگوں نے دوڑ کر کابک اور اس پر براجمان بادشاہ کو سہارنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

پوری رفتار سے قلا بازیاں کھاتا ہوا کابک پہاڑی کی چوٹی سے نیچے ڈھلکتا چلا گیا اور فرش زمین پر پہنچ کر بکھر گیا۔صرف بادشاہ اور کابک ہی نہیں بلکہ عمر شیخ مرزا کا بھاری بھرکم جسد خاکی بھی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بھاگتے ہوئے جب آخشی کے محل کے مکین اس حصے میں پہنچے جہاں کابک بکھرا پڑا تھا تو وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ ان کا نیک دل بادشاہ بھی گوشت کے چھوٹے چھوٹے لوتھڑوں میں بٹ چکا تھا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر ان پر رقت سی طاری ہوگئی اور وہ دھاڑیں مار مار کر روتے بھی رہے اور اپنے ہر دل عزیز بادشاہ کے دور دور تک بکھرے ہوئے جسم کے لوتھڑے بھی سمیٹتے رہے۔ وہ اس بُرے وقت میں انہیں دو طاقتور غنیموں کے نرغے میں تنہا کر گیا تھا۔وہ سوچ رہے تھے کہ ایک بارہ سالہ لڑکا خونخوار دشمنوں سے کس طرح نبرد آزما ہوگا اور ان کے جان و مال کی کس طرح حفاظت کر سکے گا۔

اس سانحہ عظیم سے نوعمر شہزادے بابر کو مطلع کرنا بھی از بس ضروری تھا بالآخر خاطر جمع کر کے ایک سوار کو اس جانکاہ خبر کے ساتھ اندر جان بھیج دیا گیا۔ جب یہ غیر متوقع المناک خبر اندر جان پہنچی تو شاہی محل کے ساتھ ساتھ اس کے گلی کوچوں میں بھی ایک کہرام سا بپا ہوگیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، امراء پراگندہ خیالی کا شکار تھے کیونکہ وہ خود کو لاوارث محسوس کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ جب مغلستان کا خاقان آخشی کا محاصرہ کرے گا تو پھر اس کی حفاظت کون اور کس برتے پر کرے گا؟ اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر وفادار سلاخ نے اندر جان اور شاہی محل کی محافظت کے فرائض سنبھال لیے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابن الوقت امراء طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہوجائیں گے اور یہ بھی عین ممکن تھا کہ وہ بارہ سالہ نوعمر شہزادے بابر کی زندگی کے بھی درپے ہوجائیں۔

بابر بذات خود ایک بہت بڑے صدمے سے دوچار تھا۔اس خبر نے اس کے اعصاب پر کیسا اثر کیا اس کا ذکر تاریخ کے صفحات سے کہیں مترشح نہیں ہوتا اور نہ ہی بابر نے اپنے تئیں اپنی توزک میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال ذمہ داری کے اس غیر متوقع بوجھ کے تصور نے اسے لرزہ

بر اندام ضرور کر دیا تھا۔ اس نے سلاخ کو تنہائی میں بلایا اور اس سے پوچھا:

''اندریں حالات مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے اور مستقبل قریب میں واقع ہونے والے نامساعد حالات سے کس طرح عہدہ برآ ہونا چاہئے؟ طاقتور غنیم وادی فرغانہ پر دندان آز تیز کئے ہوئے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ بیک وقت دو محاذوں پر دشمنوں سے نبرد آزما ہونا چنداں آسان نہیں ہے خدا جانے بابا جانی نے کیا حکمت عملی تیار کر رکھی تھی۔ بہر حال ہمیں از سر نو اپنی جنگی حکمت عملی کو ترتیب دینا ہوگا، تیرا اس بارے میں کیا مشورہ ہے؟

سلاخ نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا:

''شہزادہ معظم! میں جانتا ہوں کہ اہلیان فرغانہ نوعمر شہزادے کی بادشاہت کو ہضم کرنے میں پس و پیش سے کام نہیں لیں گے۔ آپ کی نوعمری ان کے دلوں پر وہ رعب و دبدبہ طاری نہیں کر سکتی جیسا کہ شہنشاہ معظم کی پر وقار شخصیت سے طاری تھا۔ عین ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ سے اس طرح پیش آئیں جس طرح کہ استاد شاگردوں سے پیش آتے ہیں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ابن الوقت امراء، سلطان احمد اور خاقان محمود خان کے خلاف آپ کے ساتھ دینے سے ہچکچاہٹ کا شکار ہو جائیں اور اس تصور سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ لوگ بارے طاقتور دشمنوں سے مرعوب ہو کر ان کی خیر خواہی کا دم بھرنے کے لیے شہزادے معظم کو مقید کر لیں اور پھر ان درندوں کے حوالے کر دیں۔ اگر آپ منظر عام پر رہے تو ان کے لیے آپ کو قید کرنا آسان ہو جائے گا۔ بنا بریں میری ناقص رائے کے مطابق آپ کو کچھ ایام کے لیے روپوش رہنا چاہئے جب تک کہ حالات ہمارے قابو میں نہیں آجاتے آپ کو منظر عام پر نہیں آنا چاہئے۔

اگرچہ بابر کی طبع بے باک پر یہ مشورہ ایک تازیانے سے کم نہیں تھا مگر اندریں حالات اس نے بھانپ لیا تھا کہ سلاخ کا مشورہ صائب ہے کیونکہ سلاخ نہ صرف اس کا استاد تھا بلکہ اس کا بہی خواہ اور ہمدرد بھی تھا وہ سمجھتا تھا کہ سلاخ جیسا وفادار انسان اس سے دغا نہیں کر سکتا اور اس کے لیے برا نہیں سوچ سکتا۔

انسان شناس سلاخ نے بابر کے چہرے کے تاثرات سے بھانپ لیا کہ بابراس کے مشورے کو مثبت انداز میں لے رہا تھا۔اس نے اپنے ایک معتمد خاص فوجی افسر کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ:''وادی فرغانہ کے نوعمر سلطان کو پوری رازداری کے ساتھ عیدگاہ تک پہنچادیا جائے۔''

سلاخ کے معتمد فوجی افسر (غالبًا جس کا نام شیرم طغائی تھا) نے بابر کو گھوڑے پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور خود بھی بڑی پھرتی کے ساتھ اچک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔اس کی پھرتی بتارہی تھی وہ ایک نہایت ہی چاک وچوبند اور ماہر گھڑ سوار تھا اس کی جسمانی ساخت اس کی تنومندی اور طاقتوری ٹپکتی پڑتی تھی۔

بابر بھی نہایت چابکدستی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور شیرم طغائی کے پہلو میں اپنے گھوڑے کو بھگاتا چلا گیا وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ:

''سلاخ کی مجھے عیدگاہ لے جانے میں کیا مصلحت ہوسکتی کے وہاں وہ مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کس طرح رکھے گا نجانے اسے وہاں کتنا عرصہ روپوش رہنا پڑے گا۔میری عدم موجودگی میں وادی فرغانہ کے حالات سے دوچار رہے گی۔

نجانے اور بھی کیسے کیسے وسوسے بابر کے دل میں اکٹھ رہے تھے اگر وہ باایں ہمہ پوری رفتار کے ساتھ شیرم طغائی کی معیت میں عیدگاہ کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔ (جاری ہے)

مُس...........کرا......ھٹ

ماں: یہ تم دوا پی کر اچھل کود کیوں رہے ہو؟

بیٹا: دوا پینے سے پہلے اسے ہلانا بھول گیا تھا

(عثمان خان، پشاور)

قیمے کے کباب

اجزاء:

قیمہ......ایک کلو روکھا (ایک بار مشین میں ڈال کر نکال لیں) دہی......آدھی پیالی بیسن...... چوتھائی کھانے کا چمچہ، دار چینی......جائفل پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچے، زیرہ...... بھنا پسا ہوا ایک کھانے کا چمچہ، فرائی پیاز......ایک پیالی، انڈا......ایک عدد، ہری دھنیا......آدھی پیالی پپیتا......پسا ہوا دو کھانے کے چمچے، ادرک...... باریک کٹی ہوئی ایک کھانے کا چمچہ، لال مرچ...... دو کھانے کے چمچے، ہری مرچ......دو عدد، نمک......ایک کھانے کا چمچہ، ڈبل روٹی کا چورا......آدھی پیالی (بھگو کر نچوڑ کر قیمے میں ملا دیں)، پودینے کے پتے......10 عدد

ترکیب:

قیمے کو فوڈ پروسیسر سے ایک مرتبہ نکال لیں۔ اب تمام مسالے سوائے دہی، انڈے اور تیل کے ملا کر دوبارہ پروسیسر میں قیمے کے ساتھ باریک کر لیں تا کہ تمام مسالا ایک جان ہو جائے۔ اب اس میں دہی انڈا اور دو چمچے تیل ملا کر ایک پیالے میں رکھ دیں۔ چار گھنٹے کے بعد چھوٹے چھوٹے گولے بنا کر سیخ پر چڑھا لیں۔ ہاتھ سے دبائیں کباب لمبائی میں پھیلا دیں۔ توڑیں نہیں (اگر سیخ نہیں ہے تو صاف پینسل سے کام کر سکتی ہیں) اب کباب کو گیلا ہاتھ لگا کر سیخ سے اتار لیں اور فرائی کریں۔ ذرا سا تیل ڈال کر تھوڑی تیز آنچ پر سینک لیں۔ سیخیں استعمال کر رہی ہیں تو کوئلے پر آگ دہکا کر سیخ رکھیں، اس پر دہی اور تیل ملا کر برش سے لگائی جائیں، تیار ہونے پر ڈش میں نکال کر کوئلے کا دھواں دے دیں۔ رائتے، املی کی چٹنی کے ساتھ بہت مزہ دے گا۔

حج بیت اللہ:

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے اور اسلام میں حج کی بڑی اہمیت ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جس کو واقعی مجبوری نے یا ظالم بادشاہ نے یا سفر سے روکنے والے مرض نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا تو اس کو چاہیے کہ وہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجاوے اور چاہے تو نصرانی ہونے کی صورت میں مرجاوے بہت سے مردوں اور عورتوں پر حج فرض ہوتا ہے لیکن پیسے کی محبت میں اور دنیا کے پھندوں میں پھنس کر حج نہیں کرتے اور بغیر حج کیے مرجاتے ہیں، دیکھو ایسے لوگوں کے لیے کیسی سخت وعید فرمائی اور بہت سے لوگ حج کو جانا چاہتے ہیں مگر اس سال اور اگلے سال کے پھیر میں برسوں لگادیتے ہیں، یہ لوگ بھی بہت برا کرتے ہیں حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جسے حج کرنا ہو جلدی کرے موت کی کیا خبر کہ کب سر پر آ کھڑی ہو، حج فرض ہوتے ہی اسی سال حج کو روانہ ہو جاؤ۔

حج کی فضیلت:

حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کے لیے ایسا حج کیا جس میں گندی باتیں نہ کیں اور گناہ نہ کیے وہ ایسا واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے آج ہی جنا ہے (یعنی بچہ کی طرح بے گناہ ہو جائے گا اور یہ بھی ارشاد ہے کہ نیکی سے بھرے ہوئے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں، نیکی سے بھرا ہوا حج وہ ہے جو ریا اور شہرت اور شیخی کے لیے نہ کیا جاوے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور اس حج میں گندی باتیں نہ کی جاویں، گناہوں سے پرہیز ہو اور جس میں لڑائی جھگڑا نہ کیا ہو۔

حج کی طرح عمرہ بھی ایک عبادت ہے وہ بھی مکہ شریف میں ہوتا ہے اوراس میں حج کی طرح چند کام کرنے پڑتے ہیں، حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ کو جانے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں (ان کا بڑا مرتبہ ہے) کہ اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ قبول کرے اوراس سے مغفرت طلب کریں تو بخش دیوے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حج اور عمرہ تنگدستی اور گناہوں کواس طرح دور کردیتے ہیں جیسے آگ کی بھٹی لوہے اورسونے چاندی کی خرابی کو دور کردیتی ہے۔حج کس پرفرض ہے؟ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ اتنا خرچ ہو کہ سواری پر درمیانہ گزارے کے ساتھ کھاتے پیتے مکہ شریف تک جاکراورحج کرکے آجاوے اس کے ذمہ حج فرض ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: اگرکسی کے پاس صرف اتنا خرچ ہے کہ مکہ شریف جاکرسواری پرآنا جانا ہوسکتا ہے مگر مدینہ تک پہنچنے کا خرچ نہیں ہے تواس پر بھی حج فرض ہے۔

مسئلہ: حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اگر کئی حج کیے تو ایک فرض، باقی سب نفل ہوں گے،نفلی حج کا بڑا ثواب ہے۔

مسئلہ: لڑکپن میں ماں باپ کے ساتھ اگرکسی نے حج کرلیا ہو تو وہ نفلی حج ہے اگر مالدار ہے تو جوان ہونے کے بعد حج کرنا فرض ہے۔

مسئلہ: حج کرنے لیے عورت کے ساتھ اس کے شوہر یا کسی اور محرم کا ہونا ضروری ہے محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی نکاح درست نہ ہو، جیسے باپ بھائی حقیقی ماموں وغیرہ محرم کا بالغ ہونا ضروری ہے نابالغ یا ایسے بددین محرم کے ساتھ جانا درست نہیں جس پر اعتماد نہ ہو۔

مسئلہ: جب عورت کے پاس مال ہو اوراس کو محرم بھی مل جاوے تو حج کو چلی جاوے فرض حج سے شوہر کا روکنا درست نہیں اگر شوہر روکے تب بھی چلی جاوے۔

مسئلہ: عورت کو جو اس کا محرم حج کرانے کے لیے لے جاوے اس کا خرچ بھی عورت کے ذمہ

ہے، ہاں اگر وہ محرم خود نہ لے، مثلاً اس پر بھی حج فرض ہو اور حج کے لیے جا رہا ہو تو اور بات ہے۔ وہ نہ لیوے تو دینا ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر ساری عمر ایسا محرم نہ ملا جس کے ساتھ عورت حج کا سفر کرتی تو حج نہ کرنے کا گناہ نہ ہوگا لیکن مرتے وقت وارثوں کو یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ میری طرف سے حج بدل کر کرا دینا مرنے کے بعد وارث کسی آدمی کو خرچ دے کر بھیج دیں کہ وہ جا کر اس کی طرف سے حج کر آوے، ایسا کرنے سے اس بیچاری کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا۔

زیارت مدینہ منورہ:

حج کے بعد یا پہلے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے مدینہ شریف ضرور جاؤ۔ ارشاد فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہوگئی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ لہذا حج کرنے جاؤ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے مدینہ شریف بھی ضرور پہنچو۔

حج کے مسئلے تفصیل سے دیکھنا ہو تو یہ کتابیں پڑھو۔

۱۔معلم الحجاج۔۲۔الحج المبرور ۔ ۳۔زبدۃ المناسک۔۴۔رفیق حج۔۵۔زیارت الحرمین

(اور جو معتبر کتاب مل جائے)

تین کا عدد

☆……تین چیزوں کے لیے تیار رہو۔ ۱: غم ۲: زوال ۳: موت

☆……تین چیزوں کو قابو میں رکھو۔ ۱: زبان ۲: دل ۳: تلوار

☆……تین چیزیں سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔ ۱: قلم ۲: قدم ۳: قسم

☆……اللہ کو تین کام سب سے زیادہ پسند ہیں۔

۱: اس کی تعریف کرنا ۲: اس سے استغفار کرنا ۳: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا

(محمد ارسلان رانا، فاروق آباد)

السلام علیکم!

میرا نام فائزہ ہے اور میں آپ کے رسالے کی مستقل قاریہ ہوں حج کے ایام بالکل قریب ہیں۔الحمدللہ ثم الحمدللہ میں اپنے بھائی کے ساتھ ادائیگی حج کے لیے جارہی ہوں۔میں نے پوچھنا یہ ہے کہ بعض عورتیں ان ایام میں کچھ ایسی ادویات استعمال کرتی ہیں جن سے ماہواری کا خون بند ہوجاتا ہے۔کیا ایسی ادویات کا استعمال شریعت میں جائز ہے؟ پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ میری کچھ بہنوں کا کہنا ہے کہ ادویات سے خون بالکل بند نہیں ہوتا اور وقفے وقفے سے کچھ قطرے نکلتے رہتے ہیں۔ برائے مہربانی آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (فائزہ مشتاق، کامونکی)

جواب: بہت خوشی کی بات ہے اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے بھائی کے ارادے کو مکمل فرمائے اور اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرمائے وہاں اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا اور وطن عزیز کی سلامتی اور بقاء کے لیے خدا کے حضور ضرور دعا کیجیے گا۔ روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت ہمارا اسلام عرض کرنا کبھی نہ بھولنا...... کہ ہمارے ''شفیع'' وہی ہیں۔

آپ نے پوچھا ہے کہ حیض وغیرہ کے خون بند کرنے والی ادویات کا استعمال جائز ہے نا جائز؟ دوسری بات آپ نے یہ پوچھی ہے کہ بعض دفعہ ادویات کے استعمال کے باوجود بھی خون کے قطرے وقفے وقفے سے نکلتے رہتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی ادویات استعمال کرنا جائز ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب میں تفصیل ہے اگر وقفے وقفے سے قطرے نکل پڑتے ہیں یا پیشاب میں سخت قسم کی سرخی

محسوس ہوتی ہے تو اس صورت میں حکم حیض والا ہوگا اور ایام حیض میں مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

بعض بہنوں کے بارے میں سنا یہ گیا ہے کہ جب وہ دوائی استعمال کرتی ہیں تو ایک دو مہینے تک ان کو تھوڑا تھوڑا خون آتا رہتا ہے وہ اس کو حیض کا خون سمجھ کر مہینہ دو مہینہ تک نماز نہیں پڑھتیں اور نہ ہی رمضان کے دنوں میں روزے رکھتی ہیں اور حج وعمرے کے دنوں میں طواف کے لیے بھی بہت پریشان رہتی ہیں۔

حالانکہ یہ پریشانی کی بات نہیں اس خون کو حیض کا خون نہیں کہتے بلکہ استحاضہ یعنی بیماری کا خون کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ حیض میں نماز روزہ اور طواف کو چھوڑنا ضروری ہے دوسرے ایام میں باوجودیکہ کہ خون آرہا ہے نماز روزہ اور طواف کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خالی.................جگہ

قائداعظم ایک بار عدالت میں انگریز جج کے سامنے کسی خاص نقطہ کی وضاحت کررہے تھے کہ قانونی موشگافیوں کی وجہ سے گفتگو طویل ہوگئی تو جج نے بیزاری کے عالم میں قائداعظم کو ٹوکا:

"مسٹر جناح! آپ کی گفتگو اتنی الجھ گئی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آرہی ایک کان سے سنتا ہوں اور دوسرے سے نکل جاتی ہے۔"

قائد کو جج کی یہ ذہنی غیر حاضری ناگوار گزری فوراً بولے: "جناب عالی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دونوں کانوں کے درمیان کی جگہ خالی ہے۔"

انتخاب: بشیر احمد، عبدالحکیم

وہ بڑے دل گردے کا آدمی ہے۔

He is a man of big heart and kidney.

بل پر تاریخ ڈالو۔

Put the history on the bill.

وہ الو کا پٹھا ہے۔

He is muscle of owl.

مزا آ گیا۔

The taste has come.

گرما اور سردا بہت میٹھے ہیں۔

Hota and colda are very sweet.

وہ میری نواسی ہے۔

She is my 89.

وہ ایک جاپانی (جا۔ پانی) ہے۔

He is a go water.

چینی بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔

Sugers are very beautiful.

میرا سر نہ کھاؤ۔

Don't eat my head.

میں ہری پور ہزارہ میں رہتا ہوں۔

I live in green pur thousanda.

وہ بھائی پھیرو جا رہا ہے۔

He is going to circle brothers.

میں نے ایک خوف ناک منظر دیکھا۔

I watched a nose afraid seen.

میری بیوی مجھے روزانہ دو انڈے دیتی ہے۔

My wife daily lays two eggs to me.

جا......جا......وے......جا......جھوٹیا!

Go go way go liera!

جان شیر خان

Life lion khan.

دروازہ مار دو۔

Kill the door.

صدر بازار میں گولیاں چل رہی تھیں۔

Tablets were walking in president bazar.

اقبال! تیرے دیس کا کیا حال سناؤں؟
دہقاں تو مرکھپ گیا ، اب کس کو جگاؤں؟
ملتا ہے کہاں خوشہ گندم ، کہ جلاؤں؟
شاہیں کا ہے گنبدِ شاہی پہ بسیرا
کنجشک فرومایہ کو اب کس سے لڑاؤں؟
مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان!
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن!
بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
شاہیں کا جہاں آج ممولے کا جہاں ہے
ملتی ہوئی مُلا سے ، مجاہد کی اذاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور
شاہیں میں مگر طاقت پرواز کہاں ہے؟
کردار کا ، گفتار کا ، اعمال کا مومن

قائل نہیں ، ایسے کسی جنجال کا مومن
سرحد کا ہے مومن ، کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
ہر داڑھی میں تنکا ہے ، ہر آنکھ میں شہتیر
مومن کی نگاہوں سے اب بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلواروں سے خالی ہیں نیامیں
اب ذوقِ یقین سے نہیں کٹتی ، کوئی زنجیر
دیکھو تو ذرا ، محلوں کے پردوں کو اٹھا کر
شمشیر و سِناں رکھی ہیں ، طاقوں میں سجا کر
آتے ہیں نظر مسندِ شاہی پہ رنگیلے
تقدیرِ امم سوگئی ، طاؤس پہ آکر
مرمر کی سلوں سے کوئی بے زار نہیں ہے
رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر شخص مسلمان ہے لیکن
دیکھو تو کہیں نام کو کردار نہیں ہے
محمودوں کی صف ، آج ایازوں سے پرے ہے
جمہور سے سلطانی جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے ، یہاں پر جو خودی کا
مر مر کے جئے ہے ، کبھی جی جی کے مرے ہے
پیدا کبھی ہوتی تھی سحر، جس کی اذاں سے
اس بندہِ مومن کو اب میں لاؤں کہاں سے ؟ ؟ ؟

آنکھوں کی بیماریاں:

آنکھیں خالق کائنات کا انمول عطیہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو جس بے مثال حسن سے نواز ہے اس سے لطف اندوز ہونے اور خلاق عالم کی کاریگری کے نمونوں سے اس قدرت وکمال پر دلائل قائم کرنے میں آنکھیں ہی ہماری معاون بنتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے جابجا اپنے اس انعام کو جتلا کر اپنی قدرت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا ہے۔اللہ نے جن قوموں پر عذاب وعتاب نازل کیا ان کی تباہی کو دیکھ کر ان سے عبرت پکڑنے کا حکم بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔آنکھوں کی قدر پوچھنی ہو تو کسی ایسے شخص سے پوچھیے جو اس نعمت سے محروم ہے۔

بعض لوگوں کو نظر ابتداء میں تو درست ہوتی ہے مگر بے احتیاطی اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں کمزوری آنا شروع ہو جاتی ہے۔ضعف بصارت سے محفوظ رہنے کے لیے درج ذیل امور کا اہتمام کیجئے۔

۱: تلی ہوئی اور مرغن غذائیں کم استعمال کیجئے۔سادہ خوراک سے نظر مضبوط رہتی ہے۔ دودھ اور سبزیوں کا استعمال معمول بنائیں۔خصوصا گاجر اور اس کا جوس آنکھوں کے لیے بہت مفید ہے۔

۲: قلب ونظر کو پاک رکھیے غیر محرموں کو دیکھنے، فحش تصاویر دیکھنے غیر اخلاقی لٹریچر پڑھنے اور فلمیں وڈرامے دیکھنے سے نظر پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔اپنے بچوں پر خاص طور سے نظر رکھیں۔ ان کو کارٹون بھی نہ دیکھنے دیا کریں۔اہل باطل نے کارٹون کے آڑ میں ہماری آئندہ نسل کو اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا ہے۔

کارٹون، فلموں میں عشق و عاشقی، بوس و کنار اور دوسرے مخرب الاخلاق مناظر معمول بن گئے ہیں۔اس کے علاوہ کارٹون نیٹ ورک اور دوسرے مشہور اردو کارٹون چینل ہندوستان سے آپریٹ ہوتے ہیں اور ہندوؤں نے ان میں اپنا مذہب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے یقین نہ آئے تو باقاعدگی سے کارٹون دیکھنے والے بچوں کی گفتگو پر توجہ کریں۔آپ کو بھگوان ، رام، ایشور، آتما، ہرساتما، بھیم، راون جیسے خاص ہندی مذہبی الفاظ سننے کو ملیں گے۔اس معاملے کو سنبھالیں، اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔

۳: تلاوت قرآن کو معمول بنایئے، قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے سے اجر دوہرا ملتا ہے اور قوت بصارت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

۴: صبح کو سیر کا اہتمام کیجئے لیکن اگر آپ خاتون خانہ ہیں تو پارک میں ہرگز نہ جایئے، گھر کے صحن میں یا چھت پر بھی چہل قدمی کر سکتی ہیں۔

۵: سبزے کو دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی ملتی ہے، گھر میں پودے لگائیں، اس سے ماحول پر بھی مثبت اثرات ہوتے ہیں۔

۶: صبح و شام آنکھوں میں سرمہ لگایا کریں، سب سے بہتر سرمہ ''اثمد'' ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کو یہ سرمہ بہت پسند تھا۔مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اعلی کوالٹی کا اثمد سرمہ ملتا ہے حج یا عمرہ پر جانے والے عزیز و اقارب اور دوست احباب سے منگوالیں۔اثمد کا رنگ عام سرمے کی طرح سیاہ نہیں بلکہ سرخی مائل ہوتا ہے۔

رائے ونڈ کے تبلیغی مرکز کے باہر جو دکانیں ہیں وہاں سے بھی مل جاتا ہے، کسی آنے جانے والے سے کہہ کر منگوالیں اور مستقل استعمال کریں۔اپنے بچوں اور چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی اس کو عادت ڈالیں۔جب گھر میں سرمہ آئے تو اس پر درود شریف، سورۃ یٰسین اور سورۃ نور کی درج ذیل آیت پڑھ کر دم کر لیا کریں۔

اللہ نور السموت والارض ......الخ (پارہ:۱۸، سورۃ نور،)

۷: اگر آپ کی نظر کمزور ہوگئی ہو تو درج ذیل عمل کریں ان شاء اللہ جو کمی ہوئی ہوگی بہت جلد پوری ہو جائے گی اور آئندہ بھی نظر مضبوط رہے گی اور آنکھوں کی بیماریوں سے حفاظت رہے گی۔

ہر فرض نماز کے بعد اول آخر تین تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر درج ذیل آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر پھونک ماریں اور پھر انگلی کو دونوں آنکھوں پر مل لیں۔

فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید (سورۃ قٓ)

عبرت ناک سزا

جونا گڑھ کے نواب جب ریاست بھارت کے حوالے اور کاغذی الحاق پاکستان کے ساتھ کر کے پاکستان تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد کی بیگم پر قتل کا ایک مقدمہ کراچی میں چلا الزام یہ تھا کہ بیگم صاحبہ نے کسی بات پر اپنی ملازمہ کو پٹوا کر لہولہان کر دیا اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اسی بیچاری کو مزید اذیت دی اس اذیت سے ملازمہ چل بسی بات چھپی نہ رہ سکی اور آخر کار معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ عدالت نے بیگم صاحبہ کے مجرم قرار دیا اور ''تا برخواست عدالت'' کی سزا سنائی بیگم صاحبہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان پر پاکستان کا قانون نہیں چلتا کیونکہ وہ ریاستی نواب ہیں۔

دیکھا آپ نے بیگم صاحبہ کو ہماری عدالت نے کیسی عبرت ناک سزا دی یہ اس عظیم پیغمبر ﷺ کو ماننے والی امت کا انتظام عدل وانصاف ہے جس نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ قانون کو سب کے لیے مساوی قرار دیا تھا ''اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

(انتخاب: رانا رضوان، شیخوپورہ)

۱۔قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان سے سب سے پہلے کس قاری صاحب نے تلاوت کی؟

۲۔قرآن کریم کی کتنی سورتیں لفظ قل سے شروع ہوتی ہیں؟

۳۔سب سے زیادہ آتش فشاں پہاڑ کس مسلم ملک میں ہیں؟

۴۔قریش کے کون سے تین بڑے سردار چھپ کر جناب نبی کریم ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا کرتے تھے؟

۵۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا اصل نام کیا ہے؟

٦۔ن،م راشد کے مجموعہ کلام ''ماوراء'' کے جواب میں ''مداوا'' کس نے لکھی؟

۷۔زیبرا کے جسم پر لکیریں افقی ہوتی ہیں یا عمودی؟

۸۔''شہریار'' اور ''شہرزاد'' کون تھے؟ ان کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟

۹۔اہل السنّت والجماعت کے ہاں اونٹ کی قربانی میں کتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں؟

۱۰۔سہارنپور، انڈیا میں کون سا مشہور مدرسہ قائم ہے؟

سابقہ سوالات کے جوابات

1۔ Milky Way 2۔ 4 اکتوبر 1187ھ 3۔ 19 نومبر 1940ء

4۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 5۔ ترکی میں 6۔ خط سرطان

7۔ یادگار غالب 8۔ برٹش براڈ کاسٹنگ کمپنی 9۔احناف میڈیا سروس

10۔مولانا اعزاز علی

ہمارے اس ماہ کے ونر ہیں بھائی **محمد طالوت**، کالا ڈھاکہ، مانسہرہ

ادارہ ان کو مبارکباد کے ساتھ ساتھ انعامی کتب بھی ارسال کر رہا ہے

خواب نمبر۱: حضرت! میری والدہ محترمہ کو رات خواب میں میری چچی ملیں جو کہ وفات پا چکی ہیں انہوں نے میری والدہ سے بہت معافی مانگی اور کہا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں مجھ سے غلطی ہوگئی آپ مجھے معاف کر دیں۔

خواب نمبر۲: یہ خواب میرا ہے اور صبح کے قریب آیا جس میں میں نے دو تین آدمیوں کی مدد سے اپنے بھائی کو گرایا زمین پر اور چھری سے ذبح کرنے لگا تو میرے بھائی نے مجھے گردن پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا کہ یہاں سے کاٹو یعنی اس نے شاہ رگ والی جگہ پر اشارہ کیا لیکن میں کاٹ نہ سکا اور ڈر گیا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں کئی دن تک پریشان رہا۔ (تعبیر ارشاد فرمائیں)

تعبیر: آپ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ اپنی مرحومہ دیورانی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے معاف کر دیں۔ ان کی زندگی میں ان سے کمی کوتاہی ہوئی اس سے درگزر کرتے ہوئے ان کے لیے بلندی درجات کی دعا کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ خاندان کے دیگر افراد خصوصاً خواتین سے دریافت کریں اور آپ کی مرحومہ چچی کے ذمے جن جن لوگوں کا قرض ہے اس کی ادائیگی کریں یا پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان سے معاف کروالیں۔

۲: آپ اپنے بھائی کو دینی تعلیم کے لیے وقف کر دیں گھر میں والد صاحب والدہ محترمہ اور دوسرے بزرگوں سے مشورہ کر کے بھائی کو کسی مدرسہ میں داخل کروائیں۔ اللہ تعالیٰ اس بچے سے دین کا بہت کام لیں گے۔ اگر بھائی مدرسہ میں پڑھنے پر راضی نہ ہوں تو عصری تعلیم جاری رکھیں اور بھائی کا تبلیغی جماعت کے ساتھ مستقل طور پر وقت لگواتے رہیں۔

مولانا محمد علی جوہر رام پور کے رہنے والے تھے۔ایک دفعہ سیتا پور گئے تو کھانے کے بعد میز بانوں نے پوچھا کہ آپ میٹھا تو نہیں کھائیں گے؟ کیونکہ مولانا شوگر کے مریض تھے۔

مولانا بولے: بھئی کیوں نہیں لوں گا؟ میرے سسرال کا کھانا ہے کیسے انکار کروں؟

یہ سن کر سب لوگ حیران ہوئے اور پوچھا کہ سیتا پور میں آپ کے سسرال کیسے ہوئے؟

تو مولانا بولے: سیدھی سی بات ہے کہ میں رام پور کا رہنے والا ہوں۔ظاہر ہے سیتا پور میرا سسرال ہوا۔

(عثمان حیدر، خانیوال)

☆☆☆

بولا دکاندار، کہ کیا چاہیے تمہیں؟

جو بھی کہو گے میری دکان پر وہ پاؤ گے

گاہک نے کہا کہ کتے کے کھانے کا کیک ہے؟

بولا یہیں پہ کھاؤ گے یا لے کے جاؤ گے؟

(شاہد بیگ، فردوس نگر)

☆☆☆

ایک مرتبہ ایک شخص خلیفہ ہارون الرشید کے پاس آیا اور اس سے کہا، مجھے حج پر جانا ہے۔ میری امداد کریں۔خلیفہ نے کہا، دیکھو بھائی! اگر تم صاحب نصاب ہو تو ضرور حج کرو، ورنہ حج کیوں کرتے ہو؟ وہ بولا: ”میں آپ کو بادشاہ سمجھ کر امداد طلب کرنے آیا تھا، مفتی سمجھ کر فتویٰ پوچھنے نہیں آیا

(غلام فاروق، چناب نگر)

محترم جناب مدیر اعلیٰ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے اور اپنے نیک کاموں میں مصروف ہوں گے۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اتنا اچھا رسالہ خواتین کے لیے نکالا لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمیں یہاں پر یہ رسالہ نہیں مل سکتا۔ ایک دفعہ کسی نے پڑھنے کے لیے دیا تو بہت پسند آیا۔

دیدہ زیب ٹائیٹل بھی بہت اچھا تھا۔ آپ کی محنت پر خوشی بھی ہوئی۔ مصروفیات ہی اتنی تھیں کہ کچھ لکھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ آج تھوڑا وقت نکال کر اپنے رسالہ کے لیے لکھ دیا، آپ کوشش کریں کہ یہ رسالہ ملک میں ہر جگہ پر فراہم ہوتا کہ سارے لوگ اس سے استفادہ کریں۔

فوزیہ چوہدری، مانسہرہ

مسافران آخرت

27 اکتوبر: غلام جنت صاحبہ کافی دنوں سے سول ہسپتال لیہ میں زیر علاج تھیں کہ قضا کا فیصلہ سر آ پہنچا اور 27 اکتوبر کی ڈوبتی شام کو وہ اس جہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آپ نے اپنی اولاد میں تین بیٹیاں اور چار بیٹے محترم محمد صابر، محترم محمد سجاد، محترم عباس خان، جناب ارشاد احمد چھوڑے۔ اللہ تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ بنات اہلسنت کے لیے دعا گو بھی اور اپنے تمام قارئین اور قاریات سے التماس کرتا ہے کہ مرحومہ کے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے ایصال ثواب کریں۔ اللہ ان کی اور تمام موتی کی مغفرت فرمائے۔

آمین یارب العالمین